ماہنامہ

تحقیقاتِ اسلامی

URDU MONTHLY MAGAZINE

April 2025

مُدیرمَسئول

مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

مُدیرتحریر

مولانا محمد صغیر قاسمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انجمن دعوت الی الحق کیرانہ ضلع شاملی کا

علمی، دینی، تحقیقی واصلاحی ترجمان

ماہنامہ

تحقیقاتِ اسلامی

جلد (۱۲) شوال ۱۴۴۶ھ مطابق اپریل ۲۰۲۵ء شمارہ (۱۰)

مدیر مسئول

حضرت مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

بانی ومہتمم جامعۃ السعادۃ کیرانہ وصدر انجمن دعوت الی الحق

مدیر تحریر

محمد صغیر قاسمی

09897855010

sagheerqasmi@gmail.com

ترسیل کے لیے رابطہ کریں: محمد معظم رحمانی قاسمی 09359602830

موبائل نمبر: 09359602830 ای میل: tahqiqateislami2011@gmail.com

شرح خریداری:

فی شمارہ: ۳۰/روپے سالانہ: ۳۰۰/روپے اعزازی: ۵۰۰۰/روپے

ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

ہر طرح کی قانونی کارروائی کا حق صرف عدالتِ کیرانہ ہی کو ہوگا۔

خط وکتابت کا پتہ:

دفتر ماہنامہ "تحقیقاتِ اسلامی"

جامعۃ السعادۃ

محلہ ابراہیم پورہ (آل کلاں) شاملی روڈ کیرانہ ضلع شاملی (یوپی) انڈیا

Add: Office Tahqiqat-e-Islami
Jamiatus Sa'adah, Moh.Ibrahimpura
(Aal Kalan) Shamli Road, Kairana
Distt. Shamli (U.P.) India
A/c No. 3023002100004803
TAHQIQAT-E-ISLAMI
Punjab National Bank, Branch: Kairana

ناشر

تحقیقاتِ اسلامی

۲۴۱ آل خورد (ملتانیان) کیرانہ ضلع شاملی (یو۔پی) ۲۴۷۷۷۴

پرنٹر پبلشر محمد عرفان نے جیوتی پرنٹنگ پریس منگلا مارکیٹ نزد مالویہ چوک، مظفرنگر سے طبع کرا کے دفتر تحقیقاتِ اسلامی ۲۴۱ آل خورد (ملتانیان) کیرانہ شاملی سے شائع کیا۔

آئینہ

صریر خامہ	محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی	(۳)
درس قرآن		
تفسیر سورۂ ملک	مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی	(۵)
مقالات ومضامین:		
اخلاص	مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی	(۱۰)
حفاظتِ صحت اور اجتنابِ معصیت	مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب	(۱۱)
قرآن کریم اور سیرت نبوی...	مولانا عبداللہ عباس ندوی	(۱۸)
درسِ نظامی اور دینی مدارس...	ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی	(۲۴)
علامہ اقبال کی نظم ''شاہین'' ایک مطالعہ	عمر فاروق فتحپوری ندوی	(۲۸)
عالم اسلام اور استشراق...	مولوی شبیر ثاقب	(۳۰)
غلط خبریں پھیلانے کی وبا	مفتی سید انور شاہ	(۳۲)
مساجد کی آبادی ہر مسلمان...	مولانا محمد عمر قاسمی کامار یڈی	(۳۵)
خود احتسابی اور محاسبۂ نفس	مولانا عبدالصبور شاکر	(۳۹)
دل کا سکون کیسے حاصل کریں؟	مولانا محمد یعقوب خاص خیلی	(۴۱)
احوال کائنات وعمر کائنات	مولانا ثمیر الدین قاسمی	(۴۳)
فقہ وفتاوی	ادارہ	(۴۴)
طب وصحت		
موسم گرما کا تحفہ: خربوزہ	ادارہ	(۴۶)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صریر خامہ

محمد صغیر قاسمی

دنیا میں بہت سے فرعون آئے، جنھوں نے: ''انا ربکم الاعلی'' کا نعرہ لگایا اور یہ سمجھا بلکہ دنیا کو باور کرانے کی کوشش کی کہ دنیا اور دنیا کا نظام ان کی مٹھی میں ہے، وہی اس کے مالک ہیں اور دنیا کو جس رخ پر وہ چاہیں گے چلائیں گے، اگر ان کے مقصد و منصوبے میں کوئی رکاوٹ آئے گی تو بزور طاقت وہ اسے توڑ دیں گے، لیکن کائنات کے خالق و اصل مالک اللہ رب العالمین کا دستور یہ ہے کہ ایسے کتوں کو وہ کچھ دن بھونکنے دیتا ہے، پھر فرعون ہی کی طرح پانی میں ڈبو کر فنا کر دیتا ہے یا ناک میں مچھر گھسا کر نمرود کی طرح ہلاک کر دیتا ہے۔ ٹرمپ صاحب بھی کچھ اسی خبط میں مبتلا ہیں، وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ صرف امریکہ ہی کے صدر نہیں ہیں، بلکہ پوری دنیا کے حکمراں ہیں اور اب وہ دنیا کو اپنی فکر و پالیسی کے مطابق چلائیں گے، جو ممالک ان کی باتیں قبول کریں گے، انھیں زندہ رہنے کا حق رہے گا، اور جو مخالفت کرے گا اپنی طاقت سے اسے مٹا دیں گے۔ گویا انسانی حقوق، جمہوریت، آزادی، اور انصاف کا جو لبادہ امریکہ نے اوڑھ رکھا تھا، ٹرمپ نے سب اتار کر پھینک دیا ہے۔

ایران کو دھمکی دے رکھی ہے کہ اس کی شرطوں پر معاہدہ کر لے ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جائے، غیر قانونی طور پر امریکہ جانے والوں کو بیڑیوں میں جکڑ کر ان کے ممالک واپس کر رہا ہے، مختلف ممالک پر ٹیرف بڑھا کر اپنی برتری اور دنیا کو ایک نئی اقتصادی پالیسی اختیار کرنے کا پیغام دیدیا ہے، ساتھ ہی نیٹو ممالک سے جو اتحاد تھا اور جس کی بنیاد پر یورپی ممالک کی اچھل کود رہتی تھی، اس کے تعاون سے بھی اب امریکہ ہاتھ کھینچ رہا ہے۔ جس کا اثر پوری دنیا پر پڑ رہا ہے اور ایک نئی صف بندی شروع ہو گئی ہے۔

رہی بات عالم اسلام کی خصوصاً اہل فلسطین کی، تو اس حوالے سے امریکی پالیسی کبھی بھی حق پرستانہ نہیں رہی ہے، عربوں کو ہمیشہ ڈرا دھمکا کر رکھا اور انھیں قابو میں رکھنے کے لئے امریکہ ہی نے برطانیہ اور فرانس وغیرہ کے ساتھ مل کر ۱۴ رمئی ۱۹۴۸ء، کو ''اسرائیل'' کے نام سے یہود کے لئے ایک ملک بنایا، یہ ملک اہل فلسطین کی زمینوں پر زبردستی قبضہ کر کے بنایا گیا۔ پھر اسرائیل کو اسلحہ اور بے پناہ مالی امداد وغیرہ کے ذریعہ اتنی زیادہ قوت پہنچائی کہ اہل فلسطین یہودیوں کے سامنے بے بس و لاچار ہو گئے۔ چنانچہ یہ ملعون قوم یہی نہیں کہ آئے دن اہل فلسطین کو اجاڑ کر ان کی زمینوں پر قبضہ کرتی رہی، بلکہ ظلم و بربریت کی کوئی ایسی صورت نہیں چھوڑی جس کو اہل فلسطین پر نہ آزمایا ہو۔ اور یہ سب باقاعدہ امریکہ کی سرپرستی میں ہوتا رہا، اگر اہل فلسطین یا کسی عرب ملک نے اس کے خلاف آواز بلند کرنے کی کوشش کی تو بزور طاقت اس کا گلا گھونٹ دیا گیا اور اس کی آواز ہمیشہ کے لئے دبا دی گئی۔

یہاں تک کہ اگر اقوام متحدہ نے بھی کبھی مظلوم و بے کس فلسطینیوں کے حق میں کوئی قرارداد منظور کرنی چاہی تو امریکہ نے اسے بے اثر کرنے کے لیے ویٹو کر دیا، اس طرح ان مظلوموں کی آواز ہمیشہ دبی ہی رہ گئی اور عرب و عجم میں امریکہ کے خوف

سے کوئی ان کے حق کی آواز بھی بلند کرنے کی ہمت نہ کرسکا۔ ظلم کی انتہاء کرتے ہوئے اسرائیل نے پورے غزہ پر قبضہ کرنے کے لئے، آج سے تقریباً ۱۸ رسال پہلے اہل غزہ کا محاصرہ کرلیا، اور اس محاصرے کے ذریعہ اشیائے خورونوش، ایندھن، ادویات، تعمیراتی سامان وغیرہ پر شدید پابندیاں لگادیں، اور وہاں کے باشندوں کی نقل وحرکت بھی محدود کردی۔ جس کی وجہ سے غزہ کی معیشت تقریباً تباہ ہوگئی، بے روزگاری اور بھکمری کی شرح، بلند ترین سطح کو پہنچ گئی، اسپتالوں سے دوائیں ختم ہوگئیں، بچوں کے لئے دودھ تک کی دستیابی ناممکن ہوگئی اور تعلیمی سسٹم ختم ہوگیا۔

اس طویل ترین محاصرے، معاشی دباؤ، اور انسانی بحران کے نتیجے میں غزہ کی حکمراں جماعت حماس اور دیگر فلسطینی گروہ، جب اسرائیل کے خلاف مزاحمت کو ''جائز دفاع'' قرار دیتے ہوئے مقابلے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تو امریکہ اور اس کے حواری، اپنا دفاع کرنے والے ان مظلوموں کو دہشت گرد قرار دے کر ان پر ٹوٹ پڑے ہیں، امریکہ نے اپنے اسلحے کے دہانے کھول دیئے ہیں، اور اسرائیل کو کھلی چھوٹ دیدی ہے کہ وہ جس طریقے سے بھی اہل غزہ کو تباہ کرنا چاہے، تباہ کردے اور غزہ کو اہل غزہ سے خالی کرا کر قبضہ کرلے۔ چنانچہ اسرائیل نے امریکی جہازوں، راکٹوں اور میزائیلوں کے ذریعہ غزہ پر اتنے بم برسائے کہ ہرا بھرا اور آباد غزہ کھنڈر میں بدل گیا، وہاں اب ایک بھی ایسا مکان نہیں ہے جس میں جا کر کوئی رہ سکے، پانی کے چشمے خشک ہوگئے ہیں، تالابوں اور کنوؤں کے پانیوں میں بارود کی بو شامل ہوگئی ہے، درخت جل گئے ہیں، بموں سے ہزاروں انسانوں کی لاشوں کے چیتھڑے اڑ گئے، نہ جانے کتنے لوگوں کی لاشیں ملبوں کے نیچے ہی دب کر سڑ گل گئیں، اور انھیں کفن بھی نصیب نہیں ہوا۔ لاکھوں لوگ شہید ہوچکے ہیں، جن میں زیادہ تر معصوم بچے اور عورتیں ہیں، اور جو زندہ بچے ہیں ان میں کے اکثر مفلوج یا اپاہج ہیں، کسی کا ہاتھ کٹ گیا ہے تو کسی کا پیر، کوئی اندھا ہوگیا تو کسی کا دماغی توازن خراب ہوگیا۔ ہزاروں مردوں عورتوں اور بچوں کو گرفتار کرکے اسرائیلی جیلوں میں قید رکھا گیا ہے اور پھر وہاں ان پر ظلم وستم کے وہ پہاڑ توجاتے ہیں، جن کو بیان نہیں کیا جاسکتا۔ افسوس یہ ہے کہ پوری دنیا تماشائی بنی ہوئی ہے، اور عرب وعجم میں کسی کے اندر ہمت نہیں ہے کہ اس ظلم وبربریت کو بند کرانے کے لئے سامنے آئے۔

ان سب مظالم کے باوجود اہل غزہ نے نہ ہمت ہاری، نہ شکست تسلیم کی، نہ امریکہ واسرائیل کے سامنے جھکے، تو اب ٹرمپ صاحب خود سامنے آکر کہہ رہے ہیں اہل غزہ کے لئے اب صرف ایک ہی راستہ بچا ہے کہ وہ غزہ کو خالی کرکے آس پاس کے ملکوں میں چلے جائیں اور غزہ کو میرے حوالے کردیں۔ تاکہ وہاں ایک خوبصورت جدید شہر تعمیر کیا جاسکے، ورنہ ان کے فوجی سب کو اپنی بوٹوں کے تلے روند دیں گے۔ یہ ہے اس فرعون وقت کا اصل چہرہ۔ اہل غزہ کے عزم وہمت کے سامنے یہ منصوبہ نہ پہلے کامیاب ہوسکا اور نہ آئندہ کامیاب ہونے کی امید ہے۔ ہاں یہ امید ضرور ہے کہ ہر فرعون کو غرق کرنے کے لئے اور اس کے منصوبوں کو ناکام کرنے کے لئے، رب کریم کسی نہ کسی موسیٰ کو مبعوث فرماتا رہا ہے۔ اب وقت آگیا ہے الہ العالمین معجزے کا ظہور فرمائے اور دنیا کے ان فرعونوں کو ہلاک وبرباد کرکے ان کے مظالم سے اپنی مخلوق کو نجات عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

درس قرآن کریم

سورۃ الملک

مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

إِنَّ ٱلَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِٱلْغَيْبِ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۝ وَأَسِرُّوا۟ قَوْلَكُمْ أَوِ ٱجْهَرُوا۟ بِهِۦٓ ۖ إِنَّهُۥ عَلِيمٌۢ بِذَاتِ ٱلصُّدُورِ ۝ أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ ٱللَّطِيفُ ٱلْخَبِيرُ ۝ هُوَ ٱلَّذِى جَعَلَ لَكُمُ ٱلْأَرْضَ ذَلُولًا فَٱمْشُوا۟ فِى مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا۟ مِن رِّزْقِهِۦ ۖ وَإِلَيْهِ ٱلنُّشُورُ ۝

ترجمہ:

''جولوگ ڈرتے ہیں اپنے رب سے بن دیکھے ان کے لیے معافی ہے اور ثواب بڑا۔ اور تم چھپا کر کہو اپنی بات یا کھول کر اور خوب جانتا ہے جیوں کے بھید۔ بھلا وہ نہ جانے جس نے بنایا اور وہی ہے بھید جاننے والا خبردار۔ وہی ہے جس نے کیا تمہارے آگے زمین کو پست اب چلو پھر و اس کے کندھوں پر اور کھاؤ کچھ اس کی دی ہوئی روزی اور اسی کی طرف جی اٹھنا ہے۔)

تفسیر

إِنَّ ٱلَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِٱلْغَيْبِ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۝

(جولوگ ڈرتے ہیں اپنے رب سے بن دیکھے ان کے لئے معافی ہے اور ثواب بڑا)۔ یعنی اللہ کو دیکھا نہیں، مگر اس پر اور اس کی صفات پر پورا یقین رکھتے ہیں۔ اور اس کی عظمت وجلال کے تصور سے لرزتے اور اس کے عذاب کا خیال کر کے تھرتھراتے ہیں۔ یا ''بالغیب'' کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے مجمع سے الگ ہو کر خلوت وعزلت میں اپنے رب کو یاد کر کے لرزاں وترساں رہتے ہیں۔ (عثمانی)

کسی کا برائی سے اس لیے بچنا کہ اس کی ذاتی رائے میں وہ برائی ہے یا دنیا اسے برا سمجھتی ہے یا اس کے ارتکاب سے دنیا میں کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے یا اس پر کسی دنیوی طاقت کی گرفت کا خطرہ ہے۔ یہ اخلاق کے لیے ایک بہت ہی ناپائیدار بنیاد ہے۔ آدمی کی ذاتی رائے غلط بھی ہوسکتی ہے۔ وہ اپنے کسی فلسفے کی وجہ سے ایک اچھی چیز کو برا اور ایک بری چیز کو اچھا سمجھ سکتا ہے۔

دنیا کے معیارِ خیر وشر اول تو یکساں نہیں ہیں پھر وہ وقتاً فوقتاً بدلتے بھی رہتے ہیں، کوئی عالمگیر اور ازلی وابدی معیار دنیا کے اخلاقی فلسفوں میں نہ آج پایا جاتا ہے نہ کبھی پایا گیا ہے۔ دنیوی نقصان کا اندیشہ بھی اخلاق کے لیے کوئی مستقل بنیاد فراہم نہیں کرتا۔ جو شخص برائی سے اس لیے بچتا ہو کہ وہ دنیا میں اس کی ذات پر مترتب ہونے والے کسی نقصان سے ڈرتا ہے وہ ایسی حالت میں اس کے ارتکاب سے باز نہیں رہ سکتا جبکہ اس سے کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو۔ اسی طرح کسی دنیوی طاقت کی گرفت کا خطرہ بھی وہ چیز نہیں ہے جو انسان کو ایک شریف انسان بنا سکتی ہو۔ ہر شخص جانتا ہے کہ کوئی دنیوی طاقت بھی عالم الغیب والشھادۃ نہیں ہے۔ بہت سے جرائم اس کی نگاہ سے بچ کر کیے جا سکتے ہیں اور ہر دنیوی طاقت کی گرفت سے بچنے کی بے شمار تدبیریں ممکن ہیں۔

پھر کسی دنیوی طاقت کے قوانین بھی تمام برائیوں کا احاطہ نہیں کرتے۔ بیشتر برائیاں ایسی ہیں جن پر دنیوی قوانین کوئی گرفت سرے سے کرتے ہی نہیں حالانکہ وہ ان برائیوں سے قبیح تر ہیں جن پر وہ گرفت کرتے ہیں۔ اس لیے دین حق نے اخلاق کی پوری عمارت اس بنیاد پر کھڑی کی ہے کہ اس اَن دیکھے خدا سے ڈر کر برائی سے اجتناب کیا جائے جو ہر حال میں انسان کو دیکھ رہا ہے جس کی گرفت سے انسان بچ کر کہیں نہیں جا سکتا جس نے خیر وشر کا ایک ہمہ گیر، عالمگیر اور مستقل معیار انسان کو دیا ہے۔ اسی کے ڈر سے بدی کو چھوڑنا اور نیکی کو اختیار کرنا وہ اصل بھلائی ہے جو دین کی نگاہ میں قابل قدر ہے۔ اس کے سوا کسی دوسری وجہ سے اگر کوئی انسان بدی نہیں کرتا یا اپنی ظاہری شکل کے اعتبار سے جو افعال نیکی میں شمار ہوتے ہیں ان کو اختیار کرتا ہے تو آخرت میں اس کے یہ اخلاق کسی قدر اور وزن کے مستحق نہ ہوں گے کیونکہ ان کی مثال اس عمارت کی سی ہے جو ریت پر تعمیر ہوئی ہو۔ (روح القرآن)

''ان کے لئے معافی ہے اور ثواب بڑا'' یعنی اگر بشریت سے ان سے کوئی گناہ سرزد بھی ہوا جس پر بعد میں اظہار ندامت کیا گیا تو ان کے لیے مغفرت ہے۔ اور اجر ہے یعنی بدلہ جو روحانی اور جسمانی اور وہاں کے نعیم کو شامل ہے اور وہ بھی کیسا؟ اجر کبیر یعنی بڑا بے تعداد ہمیشہ کے لئے۔ (حقانی)

وَأَسِرُّوا۟ قَوْلَكُمْ أَوِ ٱجْهَرُوا۟ بِهِۦٓ ۖ إِنَّهُۥ عَلِيمٌۢ بِذَاتِ ٱلصُّدُورِ ۝

''اور تم چھپا کر کہو اپنی بات یا کھول کر اور خوب جانتا ہے جیوں کے بھید'' یعنی گو تم اس کو نہیں دیکھتے مگر وہ تم کو دیکھ رہا ہے اور تمہاری ہر کھلی چھپی بات خلوت میں ہو یا جلوت میں سب کو جانتا ہے، بلکہ دلوں میں اور سینوں میں جو خیالات گزرتے ہیں ان کی بھی خبر رکھتا ہے۔ غرض وہ تم سے غائب ہے پر تم اس سے غائب نہیں۔ (عثمانی)

یہاں خطاب تمام نوعِ انسانی کو ہے جس میں کافر بھی ہیں اور مومن بھی۔ اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ آیتیں تہدید کے محل میں بھی ہو سکتی ہیں اور تسلی کے محل میں بھی۔ کافروں کو تہدید کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ وہ جس طرح من مرضی کی زندگی گزار رہے ہیں اور ان کا گمان یہ ہے کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے بے خبر ہے اور ان کے دلوں کے بھیدوں کو تو

بالکل نہیں جانتا۔ تو انھیں تنبیہ کرتے ہوئے کہا جارہا ہے کہ تم کسی بات کو چھپا کے کہو یا علانیہ کہو، آہستہ کہو یا زور سے کہو۔ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات مخفی نہیں رہ سکتی۔

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو وہ ذات ہے جو دلوں میں چھپے ہوئے خیالات کو بھی جانتا ہے۔ جو انسان کے مخفی ارادوں سے بھی باخبر ہے۔ انسان کے ذہن میں جو لہر اٹھتی ہے اسے ارادہ بنتے کچھ دیر لگتی ہے، اللہ تعالیٰ اس پورے پراسیس سے واقف ہے۔ اس لیے کافروں کو یہ احساس رہنا چاہیے کہ قیامت کے دن انھیں اس ذات سے سابقہ پیش آنے والا ہے جو ان کی ہر طرح کی باتوں، ہر طرح کے ارادوں اور ہر طرح کے اعمال سے باخبر رہا ہے اور آج اسی کے مطابق ان سے معاملہ کرے گا۔ اور مومنوں کو تسلی دیتے ہوئے کہا جارہا ہے کہ تم نے راہ حق میں جو صعوبتیں اٹھائی ہیں اور اس راستے میں تمھیں جو حوادث پیش آئے ہیں اور جس طرح تمھارا احساس زخمی ہوتا رہا ہے اور جس طرح تمھارے دلوں کی کرچیاں ہوئی ہیں ان میں سے کوئی بات بھی اللہ تعالیٰ سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ تم نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جو مال خرچ کیا اور اس کے دین کی سربلندی کے لیے جس طرح فکرمند رہے، ہر بات اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ چنانچہ وہ اپنے علم کے مطابق تمہاری ایک ایک قربانی کی قدر کرے گا اور تمھارے ایک ایک عمل کی جزاء دے گا۔ (روح القرآن)

أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ۝

(بھلا وہ نہ جانے جس نے بنایا اور وہی ہے بھید جاننے والا خبردار) اس آیت میں فرمایا کہ کسی کو اس بات پر تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کے تمام افکار و اعمال سے کیسے واقف ہوسکتا ہے اور ان کی دماغی کاوشیں اور دل کی امنگیں کس طرح اس کے علم میں آسکتی ہیں۔ تو تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کا خالق ہی نہیں بلکہ اسی نے ان کو دل و دماغ دیئے اور ان کی رعنائیوں اور صلاحیتوں کو بھی اسی نے تخلیق فرمایا۔ انسان کی فطرت بھی اسی نے پیدا کی اور ان کا انگ انگ اور دل و دماغ کا ایک ایک ریشہ اور سانس کی آمد و رفت کا ایک ایک شمہ اور انسان کے اعضاء کا ایک ایک بند اسی کی تخلیق اور اسی کی تدبیر سے کام کر رہا ہے۔

تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی بات اس سے مخفی رہے۔ وہ لطیف بھی ہے اور خبیر بھی۔ وہ باریک بیں بھی ہے اور دقیقہ رس بھی۔ وہ غیر محسوس طریقے سے کام کرتا ہے اور پوشیدہ حقائق سے بھی واقف ہے۔ اس کے لیے خفی اور جلی کی کوئی تقسیم نہیں۔ اس کا علم اور اس کی اطلاع ہر طرح کی ناتمامی اور نارسائی سے پاک ہے۔ اس کا علم ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم کا یہ جامع تصور اور اس کے ہمہ وقت خبیر ہونے کا یقین وہ قوت ہے جو انسان کو شرک کی ہر آلودگی سے پاک کر دیتی ہے اور اسی عقیدے میں کمزوری شرک کے لیے بہت سے راستے کھول دیتی ہے۔ (روح القرآن)

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ ۖ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ ۝

(وہی ہے جس نے کیا تمہارے آگے زمین کو پست، اب چلو پھرو اس کے کندھوں پر اور کھاؤ کچھ اس کی دی ہوئی

روزی اور اسی کی طرف جی اٹھنا ہے)

اب تک اس بادشاہ بابرکت کے وہ انعام وافضال بیان ہوئے تھے جو عالم بالا سے متعلق تھے جیسا کہ آسمانوں اور ستاروں کا پیدا کرنا جو اس کی قدرت تامہ کے لیے شواہد تھے اور ان کے ضمن میں مسئلہ توحید و نبوت کا بھی سلسلہ وار ثبوت تھا۔ اب یہاں سے زمین کے متعلق اپنی بادشاہی اور عالم سفلی کے انعام بیان کرتا ہے۔(حقانی)

چنانچہ فرمایا ''وہی ہے جس نے کیا تمہارے آگے زمین کو پست'' وہ سکون کے ساتھ ٹھہری ہوئی ہے ہل جل کر تمہیں نقصان نہیں پہنچاتی، پہاڑوں کی میخیں اس میں گاڑ دی ہیں، پانی کے چشمے اس میں جاری کر دیئے ہیں، راستے اس میں مہیا کر دیئے ہیں، قسم قسم کے نفع اس میں رکھ دیئے ہیں، پھل اور اناج اس میں سے نکل رہا ہے، جس جگہ تم جانا چاہو جا سکتے ہو، طرح طرح کی لمبی چوڑی سودمند تجارتیں کر رہے ہو، تمہاری کوششیں وہ بار آور کرتا ہے اور تمہیں ان اسباب سے روزی دے رہا ہے، معلوم ہوا کہ اسباب کے حاصل کرنے کی کوشش توکل کے خلاف نہیں۔(ابن کثیر)

''اب چلو پھرو اس کے کندھوں پر''۔''مناکب''،''منکب'' کی جمع ہے مونڈھے کو کہتے ہیں۔ ''مونڈھے'' پر چلنے کے کئی معنی ہیں۔(۱) صاحب کشاف کہتے ہیں یہ نہایت مسخر ہونے کے معنی میں ایک تمثیل اور محاورہ ہے۔(۲) قتادہ و ضحاک و ابن عباسؓ کہتے ہیں، زمین کے ''مناکب'' پہاڑ اور ٹیلے ہیں اس لیے کہ انسان کے مناکب (مونڈھے) اونچے ہوتے ہیں اور پہاڑ اور ٹیلے بھی بلند ہیں، اس لیے ان کو ''مناکب الارض'' کہتے ہیں۔ یہ معنی کہ جب میں نے اس کے پہاڑ اور ٹیلے تمہارے چلنے کے لیے مسخر کر دیے تو اس کے اور اجزا میں تو اور بھی اچھی طرح سے چل سکتے ہو۔(۳)''مناکب الارض'' سے مراد زمین کے رستے اور گھاٹیاں اور کنارے اور اطراف ہیں اس لیے کہ انسان کے مناکب بھی اس کے بدن کے کنارے اور جوانب ہیں۔ اس مناسبت سے زمین کے کناروں اور جوانب اور رستوں کو بھی مناکب کہنے لگے۔ یہ حسن و مجاہد و مقاتل و کلبی و بروایت عطاء ابن عباسؓ کا اور فراء اور ابن قتیبہ کا قول ہے۔(حقانی)

زمین کو حق تعالیٰ نے ایک ایسا قوام بخشا ہے کہ نہ تو پانی کی طرح سیال اور بہنے والا ہے نہ روئی اور کیچڑ کی طرح دبنے والا، کیونکہ زمین ایسی ہوتی تو اس پر کسی انسان کا رہنا ٹھہرنا ممکن نہ ہوتا، اسی طرح زمین کو لوہے و پتھر کی طرح سخت بھی نہیں بنایا، اگر ایسا ہوتا تو اس میں درخت اور کھیتی نہ بوئی جا سکتی، اس میں کنوئیں اور نہریں نہ کھودی جا سکتیں، اس کو کھود کر اونچی عمارتوں کی بنیاد نہ رکھی جا سکتی، اس قوام کے ساتھ اس کو ایسا سکون بخشا کہ اس پر عمارتیں ٹھہر سکیں چلنے پھرنے والوں کو لغزش نہ ہو۔

''اور کھاؤ کچھ اس کی دی ہوئی روزی'' پہلے زمین کے اطراف میں چلنے پھرنے کی ہدایت فرمائی اس کے بعد فرمایا کہ اللہ کا رزق کھاؤ، اس میں اشارہ ہے کہ تجارت کے لئے سفر اور مال کی درآمد برآمد اللہ کے رزق کا دروازہ ہے۔(معارف)

''وَ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ'' میں لفظ ''رِزْق'' کو اپنی طرف مضاف کر کے یہ بتلا دیا کہ خدا کا پیدا کیا ہوا ہے تمہارا نہیں۔ اور ''مِن'' کے لفظ سے یہ بھی بتا دیا کہ خدا کا پیدا کیا ہوا کل رزق تمہارے کھانے کے لیے نہیں، جیسا کہ بعض بلانوشوں کا خیال

ہے کہ سور، کتا، شراب، گوہ، گوبر سب چٹ کر جاؤ۔ (حقانی)

مسند احمد کی حدیث میں ہے اگر تم اللہ کی ذات پر پورا پورا بھرسہ کرو تو وہ تمہیں اس طرح رزق دے جس طرح پرندوں کو دے رہا ہے کہ اپنے گھونسلوں سے خالی پیٹ نکلتے ہیں اور آسودہ حال واپس جاتے ہیں، پس ان کا صبح شام آنا جانا اور رزق کو تلاش کرنا بھی توکل میں داخل سمجھا گیا، کیونکہ اسباب کا پیدا کرنے والا انہیں آسان کرنے والا وہی رب واحد ہے، اسی کی طرف قیامت کے دن لوٹنا ہے۔ (ابن کثیر)

''اور اسی کی طرف جی اٹھنا ہے'' میں بتلا دیا کہ کھانے پینے رہنے سہنے کے فوائد زمین سے حاصل کرنے کی اجازت ہے، مگر موت اور آخرت سے بے فکر نہ رہو کہ انجام کار اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ زمین پر رہتے ہوئے آخرت کی تیاری میں لگے رہو۔ (معارف)

****

تحقیقاتِ اسلامی محض ایک ماہ نامہ یا رسالہ نہیں ہے، بلکہ ایک دینی، علمی، اصلاحی اور فکری تحریک ہے، جس کا مقصد مغربی تہذیب اور اس کے عریاں وفحش لٹریچر سے متأثر افراد کے رُخ کو موڑ کر قرآن وحدیث کی تعلیمات اور اسلامی تہذیب وتمدن کی جانب مائل کرنا ہے۔ قارئین حضرات سے درخواست ہے کہ اس تحریک سے جڑیں، گھر گھر اسے پہنچانے میں ہمارا تعاون کریں اور لوگوں کو اس کے مطالعہ کی ترغیب دیں۔ (ادارہ)

اخلاص

مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

اخلاص نام ہے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے بندے کا اپنے ارادہ اور قصد کو تمام آمیزشوں سے پاک کرنا۔عمل صالح جوسنت رسول ﷺ کے موافق ہو،اس کے مقبول ہونے کے لئے اخلاص شرط ہے،ارشاد باری ہے:’’وَ مَاأُمِرُوْ ااِلَّا لِيَعْبُدُو ا اللهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ ‘‘(البینۃ)(حالانکہ ان لوگوں کو یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کریں کہ عبادت کو اس کے لئے خالص رکھیں یکسو ہوکر۔)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک صاحب نے حاضر ہوکر سوال کیا کہ یا رسول اللہ!ایک شخص جہاد کرتا ہے اور ثواب وشہرت دونوں چاہتا ہے،اس کے لئے کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے لئے کچھ نہیں،ان صاحب نے تین بار یہی سوال کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہی جواب دیتے رہے کہ اس کو کچھ نہیں ملے گا۔پھر آپ نے فرمایا یقینا اللہ تعالیٰ صرف وہ عمل قبول کرتا ہے جو خالص اسی کیلئے ہو اور جس سے اللہ کی رضا مطلوب ہو۔(ابوداؤد،نسائی)ایک بزرگ فرماتے تھے کہ ’’یانفس!اخلصی تتخلصی ‘‘اے نفس!اخلاص پیدا کر،تاکہ دوزخ سے تجھے نجات حاصل ہو۔

اخلاص قلب کو تمام آمیزشوں خواہ کم ہو یا زیادہ اس سے پاک کرنے کا نام ہے،یہاں تک کہ اللہ کے تقرب کے قصد کے علاوہ کوئی اور باعث نہ رہ جائے۔اور اس کا تصور نہیں ہوسکتا مگر اللہ کے ایسے محب سے،جو آخرت کی فکر میں ڈوبا ہوا ہو،اس طور پر کہ اس کے دل میں دنیا کی محبت کا کوئی شمہ برقرار نہ رہ جائے۔جس شخص میں یہ صفات نہیں تو سمجھو کہ اس کیلئے اخلاص کا دروازہ بند ہے مگر شاذ ونادر۔جیسا کہ جس شخص پر اللہ کی محبت اور آخرت کی فکر غالب ہوجائے تو اس کے تمام اعمال عبادت کے حکم میں آجاتے ہیں اور سراپا اخلاص ہوجاتے ہیں۔مگر جس وقت اس پر دنیا کی محبت،جاہ واقتدار کی ہوس اور تکبر وغرور اور اللہ کے سوا ہر چیز غالب ہوجائے تو پھر اس کی پوری زندگی کے اندر یہی رنگ سرایت کرجاتا ہے،یہاں تک کہ اس کی نماز اور روزہ اور اس کے علاوہ دوسری چیزیں بھی اللہ کے لئے خالص نہیں رہتیں مگر شاذ ونادر۔

اخلاص پیدا کرنے کا علاج یہ بتایا گیا ہے کہ نفس کو لذت کی چیزوں سے دور رکھا جائے،اور دنیوی محبت کو ترک کرکے آخرت کی طرف یکسو کردیا جائے،جس وقت یہ جذبہ اور روح کسی پر غالب ہوجاتی ہے تو پھر اخلاص کا پیدا ہونا آسان ہوجاتا ہے۔بہت سے اعمال میں انسان بڑی محنت کرتا ہے،اور سمجھتا ہے کہ وہ خالصۃً للہ کررہا ہے حالانکہ دھوکہ میں مبتلا رہتا ہے،کیونکہ اس نے ابھی تک اس کے نتائج بد کو دیکھا نہیں ہے۔

حفاظتِ صحت اور اجتنابِ معصیت میں ربط

مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب

الحمد للہ رب العالمین و الصلوۃ و السلام علی رسولہ الکریم: اما بعد: أَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ ﷺ کَانَ یُکْثِرُ أَنْ یَقُوْلَ: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الصِّحَّۃَ، وَ الْعِفَّۃَ وَ الْاَمَانَۃَ، وَ حُسْنَ الْخُلُقِ، وَ الرِّضَا بِالْقَدْرِ باللّٰہِ عَزَّ وَ جَلَّ۔

اپنی صحت کا خیال نہ رکھنا اور اتنا وظیفہ پڑھنا جس سے دماغ میں خشکی پیدا ہوجائے اور اتنا جاگنا جس سے صحت خراب ہوجائے مضر ہے۔ ایسا شخص اللہ سے دور ہوگا اور مخلوق سے بھی دور ہوگا جتنے دوست احباب ہیں سب اس سے کٹ جائیں گے، نہ خالق کا رہے گا نہ مخلوق کا رہے گا۔ اس لیے میرے شیخ شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جو لوگ اللہ اللہ کرتے ہیں، عبادت کرتے ہیں ان کو اپنے سر پر روغن بادام کی مالش بھی کرنی چاہیے اور دودھ بھی پینا چاہیے۔ جب اللہ کی مشین یعنی جسم کو استعمال کرو تو اس میں گریس نہ ڈالنا کیسا ہے؟ کوئی آپ کو پانی چڑھانے کے لیے موٹر دے دے اور آپ اس میں گریس اور تیل نہ ڈالیں جس کی وجہ سے وہ جل جائے یا خراب ہوجائے تو وہ آپ کا مواخذہ کرے گا یا نہیں؟ تو میرے شیخ فرماتے تھے کہ جو عبادت تو بہت کرتا ہے، مگر سیب نہیں کھاتا، بادام نہیں کھاتا، دودھ نہیں پیتا تو اچھی غذا نہ ملنے سے اگر اس کا دماغ خشک ہوگیا تو اس سے قیامت کے دن مواخذہ ہوگا کہ تم نے ہماری دی ہوئی مشین یعنی جسم کو کیوں خراب کیا؟

بعض لوگ رات کو بہت زیادہ جاگ کر وظیفے پڑھتے رہتے ہیں اور اچھی غذا استعمال نہیں کرتے، جس کی وجہ سے ان کا دماغ خشک ہوجاتا ہے تو یاد رکھیے کہ صحت خراب کر کے اللہ تک کوئی نہیں پہنچتا، طاقت سے زیادہ عبادت کرنے سے خدا نہیں ملتا، خدا ملتا ہے کہ ان کو ناراض نہ کرو، گناہ سے بچو، آپ دیکھتے ہیں کہ بہت سے پیسے والے لوگ بریانی اور پلاؤ اور سوپ پیتے ہیں، مگر پیلے ہیں، ہڈی نکلی ہوئی ہے اور بعضے مزدور ٹماٹر کی چٹنی اور روٹی کھا کر مثل ٹماٹر لال لال ہیں۔ وجہ کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ پیسے والے لوگ شراب چرس اور افیون گانجھا اور خطرناک نشے والی چیزیں استعمال کرتے ہیں، اسی طرح بعض لوگوں کا بیٹھے رہنے سے، مشقت نہ کرنے سے لیور یعنی جگر خراب ہوجاتا ہے، کیوں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ﴾ ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے۔ تو جب تک مشقت میں رہو گے صحت مند رہو گے، کیوں کہ کَبَد معنی مشقت ہے اور کَبِد معنی لیور یعنی جگر ہے تو ہمارے جگر کی صحت اور لیور کی تندرستی مشقت سے وابستہ ہے، کَبَد معنی مشقت اور کَبِد معنی جگر، تو جو مشقت کرے گا اس کا جگر صحیح رہے گا، اچھا خون بنائے گا اور سب چیزیں نارمل اور معتدل رہیں گی۔ بلغم، صفرا، سودا، خون، یہ چار اخلاط اربعہ اس کے معتدل رہیں گے۔ لیکن اگر بیٹھا رہے گا تو بلغم زیادہ پیدا ہوگا، بلغم زیادہ ہوگا تو گیس زیادہ پیدا ہوگی، جس سے صحت خراب ہوجائے گی، اس لیے مشقت کی عادت ڈالو، زیادہ نہ سہی تو کم سے کم پارکوں میں چلے جاؤ، روزانہ کم سے کم ایک میل تو چلو۔

ہمارے دارالعلوم کے ایک دوست تھے، ان کے دل پر کچھ اثر آیا تو ٹیسٹنگ میں چار لاکھ روپیہ خرچ ہوا اور آخر

میں فیصلہ کیا گیا کہ آکسیجن کی کمی ہوگئی۔ وہ بتاتے ہیں کہ اب روزانہ صبح صبح آکسیجن لینے جاتا ہوں۔ میرا بھی یہ معمول ہے کہ بنگلہ دیش ہو یا رنگون ہو یا افریقہ ہو، سارے ملکوں میں صبح کی سیر کرنے جاتا ہوں، کیوں کہ صبح کی ہوا، لاکھ روپے کی دوا۔ تو صحت بہت مطلوب شے ہے اور صحت کو نقصان پہنچانے والی چیزیں سب کی سب ناجائز ہیں۔ ہر چیز میں اعتدال رکھیے، جو حلال نعمت ہے اس میں بھی اعتدال لازم ہے، نعمتِ حلال پر بھی اعتدال واجب ہے، یہ نہیں کہ بریانی ملی تو کھائے جارہے ہیں، رات میں قے ہورہی ہے، دست آرہے ہیں اور کروٹ بدل رہے ہیں۔ تو نعمتِ حلال پر اعتدال واجب ہے۔ اب بیوی حلال ہے وہاں بھی اعتدال واجب ہے، کھانا پینا حلال ہے، مگر اتنا کھاؤ جو ہضم ہوجائے اور پانی کی جگہ بھی رہے۔

علامہ شامی نے شامی میں لکھا ہے کہ اتنا کھالینا کہ جس سے پیٹ میں تکلیف ہو، گیس ہوجائے، نظام ہضم خراب ہوجائے، گناہ ہے۔ اگرچہ یہ کھانا حلال تھا، مگر وہی حلال جسم کو تکلیف دینے کی وجہ سے گناہ میں تبدیل ہوگیا۔ اسی طرح بیوی حلال ہے، مگر اس قدر کثرت سے اس کو استعمال کرنا کہ جس سے اس کی بھی صحت خراب ہو اور آپ کی بھی صحت خراب ہو اور دونوں کو چکر آنے لگیں، یہ جائز نہیں ہے۔

ایک بار حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مضمون کو بیان فرمایا تو ایک عالم نے حکیم الامت سے عرض کیا کہ حضرت! آپ یہ کیسی بات بیان فرمارہے ہیں؟ ہمارے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو یہ فرمارہے ہیں: "اِنَّ لِزَوْجِکَ عَلَیْکَ حَقًّا" تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے تو ہم حق ادا کرتے ہیں، آپ اس سے کیوں منع کرتے ہیں؟ اس پر حکیم الامت نے فرمایا کہ مولانا حدیث پوری پڑھیں، آگے ہے: "اِنَّ لِنَفْسِکَ عَلَیْکَ حَقًّا" یعنی تمارے جسم کا بھی تم پر حق ہے۔ اور وہ حق یہ ہے کہ اس کی صحت کا خیال رکھو، صحت بخش غذا کھانے کا اہتمام کرو اور صحت خراب کرنے والی چیزیں استعمال کرنے سے بچو۔

حکیم الامت فجر کی نماز کے بعد جنگل کی سیر کرتے، پھر آکر اشراق ادا کرتے اور فرماتے کہ جو صحت کی حفاظت کی نیت سے چہل قدمی کرے گا اسے مسجد میں بیٹھنے سے زیادہ اجر ملے گا، کیوں کہ اس نے صحت کی حفاظت کا خیال رکھا۔ یہ حکیم الامت کے ملفوظات میں، میں نے خود پڑھا ہے، کیوں کہ جب صحت رہے گی تب آپ عبادت کرسکو گے اور اگر صحت خراب ہوگئی تو فرض ادا کرنا بھی مشکل ہوجائے گا۔ اور صحت خراب ہونے سے مزاج غیر معتدل ہوجاتا ہے۔ جو لوگ کم سوتے ہیں، ان کا مزاج غیر معتدل رہتا ہے۔ ہر انسان کے لیے کم از کم چھ گھنٹے سونا ضروری ہے اور دماغی کام کرنے والوں کے لیے آٹھ گھنٹہ سونا ضروری ہے۔

قیلولہ کرکے کچھ دن میں بھی آرام کرلو، تھوڑی دیر سو جاؤ۔ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "قِیْلُوْا فَاِنَّ الشَّیٰطَانَ لَایَقِیْلُ" تھوڑا سا قیلولہ یعنی دوپہر میں آرام کرلیا کرو، کیوں کہ شیاطین قیلولہ نہیں کرتے۔ لندن سے ایک مہمان آئے تھے، انہوں نے کہا کہ انگریز تو قیلولہ نہیں کرتا تو میں نے کہا وہ تو ہیں ہی شیطان۔ آپ نے سنا نہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ شیاطین قیلولہ نہیں کرتے۔ دوپہر کا کھانا کھاکے چاہے دس منٹ لیٹ جاؤ، سونا بھی ضروری نہیں ہے، بس سنت ادا ہوگئی۔ اور شیاطین اس لیے قیلولہ نہیں کرتے کہ ان کو وسوسے ڈالنے سے فرصت نہیں ہے، نہایت ہی بزی ہوتے ہیں یہ لوگ۔

توصحت بہت بڑی نعمت ہے، ہمیشہ معالجین سے مشورہ کرتے رہو۔ جب مزاج غیر معتدل ہوجائے، طبیعت میں چڑچڑاپن آجائے، بیوی بچوں پر غصہ آنے لگے تو پہلا کام یہ کرو کہ وظیفہ ملتوی کردو، شیخ سے مشورہ کرکے ذکر کم کردو، اگر وہ کہہ دے تو بالکل ملتوی کردو۔ میرے شیخ شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ شیخ کے مشورے سے اللہ ملتا ہے، اگر شیخ کہہ دے کہ میرے مہمانوں کے لیے چولہے میں لکڑی ڈالو، چائے بناؤ اور خانقاہ میں جھاڑو لگاؤ تو وہ اسی سے ولی اللہ ہوجائے گا۔ اللہ کا راستہ شیخ کے مشورے سے طے ہوتا ہے۔ ایک صاحب تھانہ بھون پہنچے اور انہوں نے حکیم الامت حضرت تھانوی کے مریدوں پر حکومت شروع کردی کہ آپ نے لوٹا کیوں یہاں رکھا؟ آپ نے یہاں کیوں نماز پڑھ لی؟ آپ یہ کیوں کر رہے ہیں؟ حکیم الامت نے ان کو بلا کر فرمایا کہ آپ شیخ ہیں یا میں شیخ ہوں؟ یہاں کا ڈاکٹر کون ہے؟ آپ مریض بن کر آئے ہو یا ڈاکٹر بن کر آئے ہو؟ آپ میرے مریدوں پر کیوں حکومت کررہے ہو؟ اب تم سب ذکر ملتوی کرو، تم اس قابل نہیں ہو کہ تم کو ذکر بتایا جائے، جب معدہ خراب ہو، قے ہورہی ہو تو حلوہ نہیں دیا جاتا، کڑوی دوا دی جاتی ہے، لہٰذا اب تم وضو خانے کی نالیاں صاف کرو، نمازیوں کے جوتے سیدھے کرو اور خانقاہ میں جھاڑو لگاؤ، تمہارے اندر تکبر کا مرض ہے۔ بس چھ مہینے کے بعد علاج ہوگیا، سارا تکبر ختم، پھر حضرت نے ان کو ذکر کی اجازت بھی دی اور خلافت بھی دے دی۔ مرید کے مزاج کو معتدل رکھنا شیخ کی ذمہ داری ہے، اس لیے شیخ تھوڑا سا حکیم بھی ہو تو بہت اچھا ہوتا ہے۔

میرے پاس تو آج بھی افریقہ سے ایک خط آیا کہ نیند کم آرہی ہے، دل ہر وقت غمگین رہتا ہے، غصہ بھی چڑھا رہتا ہے اور میرا جنگل میں بھاگ جانے کو دل چاہتا ہے۔ میں نے آج ہی جواب لکھا کہ سارا ذکر ملتوی کردو، ایک سیب روزانہ کھاؤ اور دوستوں کے ساتھ خوب ہنسو بولو اور صبح کو ٹہلو، جب تک میرا اجازت نامہ نہ آجائے ذکر ملتوی رکھو، خوب دودھ پیو اور سر پر کدو کا، خشخاش کا یا بادام کا تیل لگاؤ، تاکہ مزاج معتدل ہوجائے۔ جس طرح گاڑی کے لیے ڈرائیور ہونا ضروری ہے، اگر ڈرائیور نہ ہو اور انجن میں پانی خشک ہوگیا اور موٹر چلی جارہی ہے تو انجن جل جائے گا۔ ڈرائیور کی ذمہ داری ہے کہ انجن میں پانی ڈالے، اسی طرح شیخ کی ذمہ داری ہے کہ جب مرید کا دماغ خشک ہونے لگے تو فوراً اس کا وظیفہ ملتوی کردو اور اس کو سر پر تیل کی مالش اور سیب وغیرہ کھانے کو بتاؤ، جو سیب کھاتا ہے آسیب سے بچا رہتا ہے، بجائے آسیب بلانے کے سیب سے کہو آسیب! میرے پاس آجا، سیب کھانے سے قلب و دماغ میں قوت رہتی ہے، پھر وسوسے اور شیاطین کا اثر نہیں ہوتا۔ محمد علی کلے باکسر سے ٹیلی فون کرکے پوچھ لو کہ تمہارے پاس کبھی جن آیا ہے؟ جن ہمیشہ کمزوروں کو ستاتا ہے، بنسبت مردوں کے خواتین پر زیادہ اثر کرتا ہے۔ جو جتنا قوی القلب ہوگا، مضبوط دل و دماغ کا ہوگا اس کو وسوسے بھی کم آئیں گے۔

اس لیے دوستو! حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے صحت کی دعا مانگتے تھے، اگر صحت نعمت نہ ہوتی تو مرادِ رسول کیوں ہوتی؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے تھے: "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الصِّحَّۃَ" اے اللہ! میں آپ سے صحت کا سوال کرتا ہوں۔ "وَ الْعِفَّۃَ" اور عفت مانگتا ہوں۔ اگر صحت اچھی رہتی ہے تو بدمعاشی بھی سوجھتی ہے، کیوں کہ بیماری میں تو ہائے ہائے

کرتا ہے، صحت اچھی ہوتی ہے تو اندیشہ رہتا ہے کہ اس کا نفس مثل سانڈ کے ہوجائے، لہٰذا! اے اللہ ہمیں پاک دامنی عطا فرمایئے، صحت کے ساتھ ہماری نظر بھی پاک رہے اور دل بھی پاک رہے۔ کبھی نظر ناپاک ہوتی ہے تب دل ناپاک ہوتا ہے اور کبھی دل پہلے ناپاک ہوتا ہے، پھر نظر ناپاک ہوتی ہے، یہ دونوں لازم اور ملزوم ہیں، آگے پیچھے ہوتے رہتے ہیں، کبھی نظر ناپاک ہوئی تو دل ناپاک ہوا، کبھی دل میں گندے خیالات آئے تو نظر ناپاک ہوئی اور عفت بھی سبب ہے صحت کا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحت کے ساتھ عفت کو مانگا ہے، مگر پاک دامن رہنے والوں کی صحت بھی بہت اعلیٰ رہتی ہے تو صحت کے لیے پاک دامنی بھی ضروری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں رخ سے بتادیا ہے، تاکہ صحت کی وجہ سے میری امت گناہوں میں مبتلا نہ ہو اور دوسری طرف گناہوں سے بچنے کی وجہ سے میری امت کی صحت کی حفاظت اور ضمانت رہے۔

نمبر تین ہے ''وَالْاَمَانَةَ'' اور اے اللہ ہمیں امانت بھی عطا فرمایئے۔ مگر امانت کیا چیز ہے؟ اس کو سمجھنے سے پہلے خیانت سمجھ لو، تب امانت سمجھ میں آئے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''یَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ'' اللہ تعالیٰ تمہاری آنکھوں کی چوریوں کو جانتے ہیں اور سینوں کے گندے خیالات سے بھی باخبر ہیں#

چوریاں آنکھوں کی اور سینوں کے راز جانتا ہے سب کو تو اے بے نیاز

تو جب خیانت کا علم ہوگیا کہ آنکھوں سے اللہ کی مرضی کے خلاف بدنظری کرکے حرام لذت حاصل کرنا خیانت ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آنکھوں سے بدنظری کرنے والے کے لیے خیانت کا لفظ نازل فرمایا ہے، یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ ہم اپنی آنکھوں اور دل کے مالک نہیں ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ ''تُعْرَفُ الْاَشْیَاءُ بِاَضْدَادِھَا'' ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے، لفظ خیانت بتا رہا ہے کہ آنکھیں اللہ کی ہیں، ہماری نہیں ہیں، یہ نہیں کہ جہاں چاہو وہاں نگاہ ڈالو، ان آنکھوں کے آپ مالک نہیں ہیں، اگر آپ مالک ہوتے تو لفظ خیانت نازل ہی نہ ہوتا، اللہ تعالیٰ خیانت کا لفظ نازل ہی نہ فرماتے کہ دیکھو! خبردار، تم آنکھوں سے خیانت نہ کرنا، یہ ہماری امانت ہے، لہٰذا جہاں ہم خوش ہوں وہاں آنکھ کی روشنی استعمال کرو اور جہاں ہم ناراض ہوں وہاں نابینا بن جاؤ۔ جب کوئی حسین سامنے آجائے اس وقت پر میرا ایک شعر پڑھ کر نظر بچالو کہ#

جب آگئے وہ سامنے نابینا بن گئے جب ہٹ گئے وہ سامنے سے بینا بن گئے

میں ریل میں سفر کر رہا تھا تو ہمارے ڈبہ میں ایک لڑکی بھی بیٹھی تھی، بس میں نے فوراً ادھر پیٹھ کرکے اپنی آنکھوں کو کھڑکی کی طرف کرلیا اور کھیتوں درختوں کو دیکھنے لگا۔ میرے ایک دوست تھے، انہوں نے مجھ کو شاباشی دی کہ یہ بہت عمدہ ترکیب سکھادی، کیوں کہ بار بار نظر بچانا مشکل ہے، جب اللہ تعالیٰ نے غم سے نجات کا ایک راستہ دے دیا تو غم کیوں اٹھائیں؟! لہٰذا معشوقوں کی طرف پیٹھ کردو، جیسے میں نے کھیتوں اور جنگلوں کی طرف منھ کردیا اور مزہ بھی آتا رہا، خوب کھیتوں، جنگلوں، درختوں کو دیکھتے رہے اور سکون سے بھی رہے، اللہ تعالیٰ نے نظر کی حفاظت بھی عطا فرمائی اور جو لوگ چوری چھپے نظر ڈال رہے تھے ان کو میں نے بے چین پایا، ان کے چین اتر گئے، جب سائیکل کی چین اتر جاتی ہے تو سائیکل نہیں چلتی، جب اللہ کے راستہ پر نہیں چلو گے تو منزل تک کیسے پہنچو گے، اللہ کو کیسے پاؤ گے؟ بدنظری

سے اللہ کا راستہ کھوٹا ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ عین وقت پر اس نے مجھے یہ سکھا دیا، ورنہ اس وقت میرا شیخ وہاں تھوڑی تھا کہ اس سے پوچھتا کہ حضرت! جلدی سے بتائیں اب کیا کروں؟ حضرت سے دعائیں ضرور لو، مگر حضرت کے بھی جو بڑے ہیں، "اللہ" ان سے رابطہ رکھو۔ شیخ ہر جگہ نہیں ہوتا کہ تمہاری آنکھوں کو الفسٹن اسٹریٹ میں ساتھ ساتھ لے کر چلے گا یا ایئرپورٹ پر ساتھ جائے گا کہ کدھر دیکھتا ہے؟ شیخ سے تعلق اللہ کے لیے رکھو، جہاں بھی رہو باخدا رہو، پھر شیخ کی دعائیں بھی خود بخود لگ جائیں گی۔

اسی لیے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحت اور عفت کے بعد امانت کی دولت مانگی، یہ رازِ علومِ نبوت اختر کی زبان سے سنو کہ صحت کے بعد امانت کی نعمت کیوں مانگی؟ کیوں کہ جو قوی اور تن درست آدمی ہوتا ہے اس کو امانت کی حفاظت مشکل ہوجاتی ہے، اس کو گناہوں کی طرف رغبت شدید ہوتی ہے، کیوں کہ قوی ہے لہٰذا اے اللہ! جس کو آپ صحت عطا فرمائیں اس کو امانت بھی دیجیے کہ کسی کی بہو بیٹی کو دیکھ کر آنکھوں کی خیانت نہ کرے اور اس پہلو کا دوسرا رخ بھی لے لو، اس کا عکس کرو کہ جو نظر کی حفاظت کرے گا وہ صحت مند رہے گا، جو امانت سے رہے گا صحت مند رہے گا۔ کیوں کہ بدنظری سے لوگوں کو انجائنا بھی ہوجاتا ہے، خاص کر ایئرپورٹ کے ملازموں کو انجائنا کا بہت خطرہ ہوتا ہے، کیوں کہ وہاں ہر وقت عورتیں گزرتی ہیں تو دل ان حسینوں کی طرف کھنچتا ہے اور یہ بے چارا شرافت اور خوفِ خدا کی وجہ سے دل کو ان سے ہٹاتا ہے تو اس کشمکش میں دل کا سائز بڑھ جاتا ہے، اسی کا نام انجائنا ہے۔ اسی لیے کہتا ہوں کہ کسی انجان کو دل نہ دو #

ایک سلمیٰ چاہیے سلمان کو　　دل نہ دینا چاہیے انجان کو

انجان کو دل دو گے تو کیا انجائنا نہیں ہوگا؟ پریشان ہی رہو گے، لہٰذا پری کو مت دیکھو، ورنہ شانی خود آجائے گی، بتائیے پریشانی میں پری ہے یا نہیں؟ مجھے ایک آدمی بھی آج تک ایسا نہیں ملا جس نے کہا ہو کہ حسینوں کو دیکھنے سے مجھے سکون ملا ہے، سب نے یہی کہا کہ ہمارا سکون اُڑ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بلا وجہ تھوڑی فرمایا: ﴿یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ﴾ ارحم الراحمین کا حکم ہے کہ نظر کی حفاظت کرو، تاکہ تمہارے دل میں مولیٰ رہے، لیلیٰ گزرنے بھی نہ پائے، سوائے اپنی بیوی کے، کیوں کہ حلال بیوی سے تم کو حلال اولاد ملے گی۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحت مانگی اور صحت کے ساتھ جو صحت کے لیے مفید اور معین چیزیں ہیں وہ بھی مانگیں۔ یہ رحمۃ للعالمین کی شانِ رحمت ہے کہ میری امت کو صحت حاصل ہو، لیکن کیسے حاصل ہو؟ امانت کے ساتھ رہیں۔ امانت کے ساتھ رہیں گے تو صحت بھی رہے گی اور پاک دامنی بھی رہے گی، صحت کی بنیاد یہ ہے کہ انسان عفیف رہے، پاک دامن رہے، گناہوں میں، زنا کاری اور بدمعاشی میں مبتلا نہ ہو: "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الصِّحَّةَ وَ الْعِفَّة" پاک دامن رہو گے تو صحت بھی رہے گی اور صحت کے ساتھ پاک دامن رہو گے تو صحت کو بقا اور ارتقا بھی رہے گا، یعنی آپ کی صحت باقی رہے گی۔ لیکن پاک دامن کب رہو گے؟ آہ! کیا ترتیب ہے، حدیث کے ایک ایک لفظ میں کیا ترتیب ہے کہ پاک دامن کب رہو گے" وَ الْاَمَانَة" جب آنکھیں امانت دار رہیں گی تب تم پاک دامن رہو گے، ورنہ تمہاری پاکی ناپاکی سے بدل جائے گی، آنکھوں کی حفاظت رکھو، تاکہ دل بھی امین ہو، دل میں گندے خیال نہ لاؤ اور آنکھوں کو بھی امانت دار رکھو تو تم عفیف اور پاک دامن رہو گے۔

صحت کی ضمانت عفت و پاک دامنی پر ہے اور پاک دامنی کی ضمانت امانت پر ہے "امانة العین و امانة القلب"، یعنی آنکھیں بھی امین ہوں اور قلب بھی امین ہو، دل میں بھی گندے خیالات نہ لاؤ، کبھی شیطان سرحد سے آتا ہے، کبھی کیپٹل پر حملہ کرتا ہے، لہٰذا بارڈر کی بھی حفاظت کرو اور کیپٹل کی بھی حفاظت کرو، یعنی دل میں بھی قصداً گندے خیالات مت لاؤ، اگر خود سے آجائیں تو توبہ کرکے انہیں جھٹکو اور جلدی سے کسی اچھے کام میں مشغول ہوجاؤ۔ امانت اور پاک دامنی کے ساتھ تمہاری صحت صحیح رہے گی، مگر امانت کب رہے گی؟ امین کب رہو گے:

"وَ حُسْنَ الْخُلُق" جب تمہارے اخلاق اچھے ہوں گے اور حسن اخلاق کی تعریف کیا ہے؟ محدث عظیم ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ حسنِ اخلاق کس چیز کا نام ہے۔ یہ تھوڑی ہے کہ ایئر ہوسٹس سے ہنس ہنس کے باتیں کررہے ہیں، ایک صاحب نے کہا کہ اگر ہم ان کی طرف دیکھ کر بات نہیں کریں گے تو ہم کو بداخلاق سمجھے گی، اس لیے ہم باقاعدہ ان کو دیکھتے ہیں، مسکراتے ہیں، تاکہ معلوم ہو کہ مسلمانوں کے اخلاق بڑے اچھے ہیں، کیسے پیار سے باتیں کرتے ہیں۔ دیکھو! شیطان نے کیسا بے وقوف بنایا؟! میں نے ان سے کہا کہ اخلاق کی تعریف محدثین نے کی ہے کہ حسن اخلاق نام ہے: "مُدَارَاۃُ الْخَلْقِ مَعَ مُرَاعَاۃِ الْحَقِّ" مخلوق کے ساتھ اتنی بھلائی سے پیش آؤ کہ اللہ تعالیٰ کا قانون نہ ٹوٹنے پائے۔ مخلوق کے حق سے زیادہ اللہ کا حق ہے، لہٰذا اگر کوئی تم کو بداخلاق کہے تو میں لاکھوں اخلاق ایسی بداخلاقی پر فدا کرتا ہوں جس سے اللہ خوش رہے اور مخلوق ناخوش ہو #

سارا جہاں خلاف ہو پروانہ چاہیے — پیشِ نظر تو بس مرضیِ جانانہ چاہیے
بس اس نظر سے جانچ کے تو کر یہ فیصلہ — کیا کیا تو کرنا چاہیے کیا کیا نہ چاہیے

آنکھیں اُسی کی پاک رہیں گی، دل اُسی کا پاک رہے گا جس کے اخلاق اچھے ہوں گے، وہ مخلوق پر اپنے مولیٰ کی رضا کو مقدم کرے گا، حسینوں کو، غیر اللہ کو خوش نہیں کرے گا جب کہ اللہ ناخوش ہورہا ہو۔ اس کے دل میں یہ خیال نہیں آئے گا کہ اگر ہم ٹھیک سے بات نہیں کریں گے تو نامحرم عورتیں کہیں گی کہ مسلمانوں کے اخلاق کیسے ہیں۔ میرے ایک دوست میرے ساتھ جرمنی گئے، وہاں ایک جرمن لڑکی نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا، انہوں نے ہاتھ کھینچ لیا۔ اس نے انگریزی میں کہا کہ بھئی! آپ کا اسلام کیسا ہے؟ کہا اسلام ہمارا بہت اچھا ہے۔ بات یہ ہے کہ آپ کے ہاتھ میں کرنٹ ہے، آپ ہم کو بجلی مارنا چاہتی ہیں۔ اسلام منع کرتا ہے کہ غیر محرم عورتوں کے مصافحہ سے کرنٹ لگتا ہے، اللہ والوں سے مصافحہ کرو، اللہ والوں میں جو کرنٹ ہے اس سے حیات ملتی ہے اور حسینوں میں جو کرنٹ ہے اس سے موت ملتی ہے۔

تو صحت کی حفاظت کے لیے کتنی چیزیں ہوگئیں؟ نمبر ایک عفیف رہنا، پاک دامن رہنا، نمبر دو امین رہنا، یعنی آنکھوں کی اور قلب کی امانت رکھنا اور "وَ حُسْنَ الْخُلُقِ" اخلاق کب اچھے رہیں گے؟ اس کا جواب اگلی بات سے مل جائے گا: "وَ الرِّضَا بِالْقَدْرِ" جو تقدیر پر راضی رہے گا کہ اللہ نے مجھے جیسی بیوی دی بس وہی ہماری لیلیٰ ہے، تقدیر پر راضی رہو۔ کیا ترتیب ہے کہ

اخلاق اسی کے اچھے رہیں گے جو تقدیر پر راضی رہے گا، سوکھی روٹی کھالے گا، چوری نہیں کرے گا، ڈاکا نہیں مارے گا، اپنی بیوی کو اگر سوکھی روٹی بھی سمجھے گا تو بھی اس پر راضی رہے گا، حرام کی بریانی اور حرام کے حسینوں کو نہیں دیکھے گا۔

اب ترتیب سے دوبارہ دیکھ لو، اے اللہ! ہم آپ سے صحت مانگتے ہیں اور پاک دامنی مانگتے ہیں اور پاک دامنی کے لیے امانت مانگتے ہیں کہ آنکھیں امین رہیں اور دل بھی امانت دار رہے اور اچھے اخلاق بھی عطا فرما، تاکہ آپ کی خوشیوں کو ہم اپنی خوشیوں پر اور ساری مخلوق کی خوشیوں پر مقدم رکھیں # خوشی کو آگ لگا دی خوشی خوشی ہم نے

اگر مولیٰ ناراض ہوتا ہے تو اپنی خوشیوں کو آگ لگا دو، اس وقت نالائقوں کی طرح سے ادھر ادھر مت دیکھو۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''لَعَنَ اللّٰہُ النَّاظِرَ وَ الْمَنْظُوْرَ اِلَیْہِ'' اے اللہ! اس پر لعنت فرما جو اپنی بیوی کو چھوڑ کر دوسروں کی بہن بیٹی کو یا لڑکوں کو بری نظر سے دیکھ رہا ہے۔ میں آج مسجد کے منبر سے یہ بات پیش کر رہا ہوں کہ جس ظالم کو بدنظری کرنے کی لعنتی بیماری ہو وہ اپنی شکل آئینہ میں دیکھ لے، بدنظری کرنے کے بعد اگر اس کی شکل پر لعنت نہ برسے تو کہنا۔ کیوں کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بد دعا ہے جو یقیناً قبول ہے۔ آپ کی دعا بھی قبول ہے، بددعا بھی قبول ہے اور اس لعنت کا اثر یہ ہوتا ہے کہ دل میں آگ لگ جاتی ہے، دل بھی کالا، چہرہ بھی کالا، آنکھ بھی کالی، اندھیرے ہی اندھیرے چھا جاتے ہیں۔

حسن اخلاق کے معنی یہ نہیں کہ بڑے اخلاق والے ہیں۔ یہ نہ سوچو کہ ائیر ہوسٹس کہے گی کہ داڑھی رکھ کر یہ لوگ بات بھی نہیں کرتے، میری طرف دیکھتے بھی نہیں ہم نے ان کو سلام کیا تو ٹھیک سے جواب بھی نہیں دیا۔ آپ اللہ پر نظر رکھو، بس مولیٰ خوش رہے، کسی اور کی خوشی کی پروانہ کرو۔ اللہ اسی ایئر ہوسٹس کے دل میں تمہاری عظمت ڈال دے گا، اگر وہ کافر ہے تو سمجھے گی کہ یہ کوئی پادری معلوم ہوتا ہے، اگر مسلمان ہے تو سمجھے گی کہ کوئی ولی اللہ معلوم ہوتا ہے۔ جو دل میں ہوتا ہے آنکھوں میں اس کا اثر ہوتا ہے، بدنظری کی لعنت کا اثر دل پر ہے تو اس کا اثر آنکھوں میں بھی ہوگا۔ حکیم الامت کے وعظ میں ہے کہ تھانہ بھون میں ایک بوڑھا ایک لڑکے کو بری نظر سے دیکھتا تھا، مگر وہ تہجد گزار لڑکا تھا، اللہ والا صاحب نسبت تھا۔ اس نے کہا بڑے میاں! جب آپ مجھے دیکھتے ہیں تو آپ کی آنکھوں میں اندھیرے معلوم ہوتے ہیں، سچ بتائیں کیا آپ مجھے بری نظر سے دیکھتے ہیں؟ وہ رونے لگے کہ بیٹے! صحیح کہتے ہو، آج سے نہیں دیکھوں گا۔ آدمی سمجھتا ہے کہ میں مسکرائی ہوئی نظروں سے اس کے دل میں جگہ بنا رہا ہوں، جب کہ اس کے دل میں تم شیطان بن رہے ہو۔

تو یہ ترتیب یاد رکھنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحت مانگی، پھر عفت و پاک دامنی مانگی، عفیف رہنا، امانت دار رہنا مانگا، اور اچھے اخلاق مانگے۔ اچھے اخلاق کا حاصل یہی ہے کہ مولیٰ کی خوشی کو آگے رکھو اور مخلوق کی خوشی کو پیچھے رکھو، لیکن اچھے اخلاق اسی کے ہوں گے جو تقدیر پر راضی ہوگا کہ جیسی اللہ نے ہم کو بیوی دی ہے، یہی ہماری قسمت میں لکھی تھی، یہی میری لیلیٰ ہے، اپنی اپنی بیویوں کو لیلیٰ سمجھو۔ ان شاء اللہ اس کی برکت سے آپ کی نظر بدل جائے گی اور آپ کو وہ واقعی لیلیٰ معلوم ہوگی، اِدھر اُدھر نظر مت ڈالو، بس یہی سمجھو کہ شاید اس کے پیٹ سے کوئی ولی اللہ پیدا ہو جائے اور قیامت کے دن بیڑا پار ہو جائے۔

قرآن کریم اور سیرت نبوی میں حسن ادب کی اہمیت

مولانا عبداللہ عباس ندوی

ادب وطاعت قرآن کریم میں "حسن ادب" کے جو نمونے ملتے ہیں ان کو سامنے رکھتے ہوئے اس کی ضرورت نہیں کہ ہم اس لفظ کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم بیان کریں۔ یوں تو ایک محاضرہ کافی تجزیہ کرنے کے لیے ہم اخیر میں اس کی طرف بھی اشارہ کریں گے، لیکن دراصل ادب وہی ہے جس کی تعلیم ہمیں قرآن کریم سے ملتی ہے، اس کے چند نمونے آپ اس طرح ملاحظہ فرما سکتے ہیں: امام ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ادب کی تین قسمیں ہیں:

۱- اللہ کا ادب۔ ۲- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی شریعت کا ادب۔ ۳- للہ کی مخلوق کا ادب۔

اول: اللہ عزوجل کا ادب۔ اس کی تین قسمیں ہیں: ا..... حکم الٰہی کو ہر وقت تازہ اور پائدار سمجھنا اور اس کی مخالف چیزوں سے بچنا۔ ۲..... دل کو پاک رکھنا، اس کو دوسری طرف متوجہ نہ ہونے دینا۔ ۳..... ارادہ کو پاک رکھنا، تاکہ وہ اس چیز میں ملوث نہ ہو جو معیوب ہے۔ اللہ کے ساتھ ادب، اس کے دین کی خدمت، اس کی ذات پاک کی طرف یکسو ہو کر متوجہ ہونا، اس طرح کہ کوئی ظاہری اور باطنی حرکت تعظیم، اجلال اور شرم وحیا کے خلاف نہ ہو۔ ادب کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے اندر خدمت کا جذبہ پیدا کرنے اور کام کرنے پر آمادگی اختیار کرنا، جو حصول ادب اور حصول کمال کے لیے ضروری ہے۔

اللہ نے انسان کے دل میں کمال کی طلب رکھی ہے اور اس کو استعداد اور اہلیت عطا فرمائی ہے کہ وہ کمال حاصل کرے۔ یہ صلاحیت اس کے اندر چھپی ہوئی ہے، جیسے کہ چقماق کے پتھر میں آگ۔ حصول کمال کی طلب اللہ اس کے دل میں ڈالتا ہے اور اس کو اس کی صلاحیت عطا کرتا ہے، وہی منزل تک پہنچاتا ہے اور وہی راستہ بھی بتاتا ہے، اور اس کی طرف اپنے رسول بھیجتا ہے اور اس کی طرف اپنی کتاب بھیجتا ہے، تاکہ وہ قوت جو اس کے اندر ہے وہ بروئے کار لائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ارشاد ہے: ﴿وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا، فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا، قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا، وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا﴾ (الشمس: 10-7) ترجمہ: "اور (قسم ہے انسان کی) جان کی اور اس (ذات) کی جس نے اس کو درست بنایا، پھر اس کی بدکرداری اور پرہیزگاری (دونوں باتوں) کا اس کو القاء کیا، یقیناً وہ مراد کو پہنچا جس نے اس (جان) کو پاک کر لیا اور نامراد ہوا جس نے اس کو (فجور میں) دبا دیا"۔

اس آیت میں نفس کو پیدا کرنے اور اس کو کارآمد کرنے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جو اس بات کو واضح کرتا ہے کہ مقصود اعتدال اور تکمیل ہے، پھر مطلع کرتا ہے کہ اس کے اندر یہ صلاحیت دی کہ معصیت یا تقویٰ میں سے جس کو چاہے اپنا لے اور اس کو امتحان کی منزل تک پہنچاتا ہے، پھر اس کو مانجھ کر پاک کرنے والے (تزکیہ) کو فلاح کی بشارت دی اور ان آداب سے بہرہ مند فرمایا کہ بدقسمتی مقدر ہے اس شخص کے لیے جو اس کو دبا دے، چھپا دے، ایسے شخص کی تحقیر کی گئی اور اس

کو پست بتایا گیا اور معصیت کے ذریعہ فنا کرنے کا اشارہ کیا گیا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

اللہ عزوجل کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب۔ اس جگہ پر مفسرین اس آیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو ملاتے ہیں جب کہ اللہ نے اپنی نبی کو جو چاہا دکھلایا: ﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ﴾ آنکھ اپنی جگہ سے ٹلی نہیں اور دیدوں نے حرکت نہیں کی، ادب کا تقاضا تھا کہ سر جھکائے تسلیم ورضا کا اظہار کرتا رہے، علمائے ادب نے یہی تعریف کی ہے اور بہترین مثال سے ان کو سمجھا ہے، ابن تیمیہ نے اسی مفہوم پر زور دیا ہے۔ اس آیت میں عجیب وغریب اسرار پوشیدہ ہیں اور وہ ادب جو افضل بشر سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شایان شان تھا اس کا بہترین نمونہ ان الفاظ میں ہے۔ ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ، أَفَتُمَارُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ﴾ (النجم:12-11) "قلب نے دیکھی ہوئی چیز میں کوئی غلطی نہیں کی تو کیا ان (پیغمبر) سے ان کی دیکھی ہوئی چیز میں نزاع کرتے ہو"۔ یعنی جو آنکھوں نے دیکھا اس کی دل نے تکذیب نہیں کی اور یہ اللہ جل شانہ کے حضور غایت ادب اور کمال اطاعت کی تصویر ہے، جو اس ذات سے صادر ہوئی جس کے لیے فرمایا گیا ہے۔ ﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ "اور بے شک آپ اخلاق (حسنہ) کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں"۔

انبیاء اور پیغمبروں کا اللہ عزوجل کے ساتھ ادب: انبیا علیہم السلام نے اللہ سے کس طرح مکالمہ کیا اور کس طرح اپنی عرض داشت پیش کیں، ہر بات ادب واحترام کی روح سے بھری ہوئی ہے۔ مسیح علیہ السلام نے فرمایا: ﴿إِن كُنتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ﴾ (المائدۃ:116) "اگر ہم نے کہا ہوتا تو آپ نے جانا ہوتا"۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انھوں نے تردیدی یا انکاری جملہ نہیں کہا کہ "لم أقله" جب ان سے پوچھا گیا کہ: ﴿يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيْنِ مِن دُونِ اللَّهِ﴾ (المائدہ:116) اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے ان لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی علاوہ خدا کے دو معبود قرار دے لو؟" تو اس کے جواب میں انکاری جملہ بھی کہہ سکتے تھے کہ میں نے نہیں کہا، مگر اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور حسن ادب کا یہ تقاضا تھا کہ لفظ نفی زبان سے نہ نکلے اور بات بھی پوری ہو جائے اور ادب بھی باقی رہے اور احترام کا تقاضا اپنی جگہ پر قائم رہے: ﴿إِن كُنتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ﴾ بات اللہ تعالیٰ کے علم وحکمت کی طرف لوٹا دی اور عبدیت کا اظہار اس طرح کیا کہ: ﴿تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي﴾ کہ تو جانتا ہے کہ میرے دل میں کیا ہے پھر علم غیب سے اپنی ناواقفیت اور اپنی کوتاہی علم وفہم کا اعتراف بارگاہ رب العزت میں کرنا ضروری تھا کہ ﴿وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ﴾

پھر حق تعالیٰ جل شانہ کی عظمت وکبریائی کا اعتراف واظہار بھی ضروری تھا، تو فرمایا کہ: ﴿إِنَّكَ أَنتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ﴾ اور پھر اس بات کی تردید کی کہ انھوں نے احکام ربانی کے خلاف کوئی حرف زبان سے نکالا ہو، فرمایا: ﴿مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ﴾ اور پھر اپنی گواہی کا ذکر کیا کہ اے اللہ! جب تک تو نے مجھے ان لوگوں کے درمیان رکھا اور جو کچھ بھی زبان سے نکالا اور جو لفظ بھی کہا اس سے تو خوب واقف ہے اور یہ کہ جب تک تو نے مجھے زندہ رکھا میں نے دیکھا کہ یہ لوگ کیا کرتے ہیں اور آپ نے اٹھا لیا تو ان کے اعمال اور عقیدے کی نگہبانی فرمانے والا صرف تو ہی

تھا:﴿وَ كُنتُ عَلَيهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيتَنِى كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيهِمْ﴾(المائدہ: 117)"اور میں ان پر مطلع رہا جب تک ان میں رہا اور پھر جب آپ نے مجھ کو اٹھالیا تو آپ ان پر مطلع رہے"۔

اور حق تعالیٰ شانہ کی حمد وثنا کرتے ہوئے یہ کہا:﴿وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَىءٍ شَهِيدٌ﴾(المائدۃ:117)اور آپ ہر چیز کی پوری خبر رکھتے ہیں۔اور اخیر میں وہ بات فرمائی جس کو پڑھ کر آج بھی اہل ایمان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور جس آیت کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رورو کر رات بھر تلاوت فرماتے رہے:﴿إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾(المائدۃ: 118) اگر آپ ان کو سزا دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ ان کو معاف فرمادیں تو آپ زبردست حکمت والے ہیں۔یعنی اگر تو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں، سر اٹھانے کی ہمت نہیں کرسکتے، تیری بندگی پر راضی اور تیرے حکم پر خوش ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو یہ بھی تیری شان ہے کہ اتنی معصیت اور شرک کے باوجود جب کوئی عقلی وظاہری قانون ان کی رعایت نہیں کرسکتا تھا تو نے اپنے فضل وکرم سے ان کو بخش دیا اور اس حال میں بخشنا ایک صاحب قوت وعظمت کا ہی کام ہوسکتا ہے اور وہ جو قانون کے سامنے لاچار ہو اور وہ کسی کے سامنے جواب دہ ہو اس کی مجال نہیں ہوسکتی کہ جس کو چاہے بخش دے۔

یہ آیتیں ادب واحترام، اللہ کی معرفت اور اس کے جلال کے آگے سر جھکانے کی بہترین مثال ہیں، بعض مفسرین نے ،جن میں طبری بھی ہیں، ان کا خیال ہے کہ سیاق آیت کا تقاضا تھا کہ :﴿وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ کے بجائے "فَإِنَّكَ أَنتَ الغفور الرحيم" ہوتا، مگر قرآن کریم نے:﴿إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الحكيم﴾ کہا، کیوں کہ یہ موقع جلال وغضب کا ہے، یہاں مالک حقیقی کے حکم کی تائید ہی کی جاسکتی تھی، غایت ادب واحترام میں بندہ نے کہا کہ اللہ! تو صاحب سطوت وغلبہ ہے، تیرا فیصلہ سب سے بڑا فیصلہ ہے۔

انبیائے کرام کی طرف جن اقوال کی نسبت ہے اور جن کی صحت کے بارے میں کوئی شک نہیں ہے، کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن میں نازل فرمایا ہے، ان میں ایک یہ ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا:﴿الَّذِى خَلَقَنِى فَهُوَ يَهْدِينِ، وَالَّذِى هُوَ يُطْعِمُنِى وَيَسْقِينِ، وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ﴾(الشعراء:80-78)"جس نے مجھ کو (اور اسی طرح سب کو) پیدا کیا، پھر وہی مجھ کو (میری مصلحتوں کی طرف) راہ نمائی کرتا ہے اور جو کہ مجھ کو کھلاتا پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوجاتا ہوں وہی مجھ کو شفا دیتا ہے"۔اس آیت میں مرض کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی اور یہ نہیں کہا کہ:"وَإِذَا أَمْرَضَنِى فَهُوَ يَشْفِينِ" اسی طرح حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ کشتی کے بارے میں ان کا یہ کہنا:﴿فَأَرَدتُّ أَنْ أَعِيبَهَا﴾ میں نے ارادہ کیا کہ اس میں عیب پیدا کردوں، یہ نہیں کہا کہ:"فَأَرَادَ رَبُّكَ أَن يعيبها" اور ان دونوں لڑکوں کے بارے میں جن کی دیوار حضرت خضر نے از سر نو تعمیر کی وہاں فرمایا:﴿فَأَرَادَ رَبُّكَ أَن يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا﴾(الکھف:82)"سو آپ کے رب نے اپنی مہربانی سے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی (کی عمر) کو پہنچ جائیں۔

یہ واقعہ قرآن کے الفاظ میں اس طرح وارد ہوا ہے:﴿أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِينَ يَعْمَلُونَ فِى الْبَحْرِ

فَأَرَدتُّ أَنْ أَعِيبَهَا وَ كَانَ وَرَاءَهُم مَّلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا، وَ أَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِينَا أَن يُرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَ كُفْرًا، فَأَرَدْنَا أَن يُبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكَاةً وَ أَقْرَبَ رُحْمًا، وَ أَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَ كَانَ تَحْتَهُ كَنزٌ لَّهُمَا وَ كَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا فَأَرَادَ رَبُّكَ أَن يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَ يَسْتَخْرِجَا كَنزَهُمَا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ذَٰلِكَ تَأْوِيلُ مَالَمْ تَسْطِع عَّلَيْهِ صَبْرًا﴾(سورۃ الکھف:82-79) "وہ جو کشتی تھی وہ چند آدمیوں کی تھی جو(اس کے ذریعہ سے) دریا میں محنت (مزدوری) کرتے تھے،سو میں نے چاہا کہ اس میں عیب ڈال دوں، (اور وجہ اس کی یہ تھی کہ) ان لوگوں سے آگے کی طرف ایک (ظالم) بادشاہ تھا، جو ہر (اچھی) کشتی کو زبردستی پکڑ رہا تھا اور رہا وہ لڑکا،سو اس کے ماں باپ ایمان دار تھے سو ہم کو اندیشہ (یعنی تحقیق) ہوا کہ یہ ان دونوں پر سرکشی اور کفر کا اثر نہ ڈال دے، پس ہم کو یہ منظور ہوا کہ بجائے اس کے کہ پروردگار ان کو ایسی اولاد دے، جو پاکیزگی (یعنی دین) میں اس سے بہتر ہو،اور (ماں باپ کے ساتھ) محبت کرنے میں اس سے بڑھ کر ہو اور رہی دیوار،سو وہ دو یتیم لڑکوں کی تھی، جو اس شہر میں (رہتے) ہیں اور اس (دیوار) کے نیچے ان کا کچھ مال مدفون تھا (جو ان کے باپ سے میراث سے پہنچا ہے) اور ان کا باپ (جو مر گیا وہ) ایک نیک آدمی تھا،سو آپ کے رب نے اپنی مہربانی سے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی (کی عمر) کو پہنچ جاویں اور اپنا دفینہ نکال لیں، آپ کے رب کی رحمت سے اور (یہ سارے کام میں نے بہ الہام الٰہی کیے ہیں، ان میں سے) کوئی کام میں نے اپنی رائے سے نہیں کیا۔ (لیجیے) یہ ہے حقیقت ان (باتوں) کی جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا"۔

ان آیات میں شر کی نسبت، توڑنے اور منہدم کرنے کی نسبت، کسی بنی بنائی چیز کو خراب کرنے کی نسبت انسان کی طرف ہے اور جہاں خیر کا معاملہ ہے اس کی نسبت اللہ کی طرف راجع ہے، یہی بات آپ کو سورہ فاتحہ میں بھی نظر آتی ہے کہ: ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ کہا، کیوں کہ غضب میں ڈالنا ایک جابرانہ طاقت کا مظہر ہے اور اس سے پہلے ﴿أَنْعَمْتَ عَلَيْهِم﴾ میں جہاں عطا کرنے کا ذکر ہے، اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے، اسی طرح جنوں کا یہ کہنا: ﴿وَأَنَّا لَا نَدْرِي أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَن فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا﴾ (الجن:10) "اور ہم نہیں جانتے کہ (ان جدید پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث فرمانے سے) زمین والوں کو کوئی تکلیف پہنچانا مقصود ہے یا ان کے رب نے ان کی ہدایت کرنے کا قصد فرمایا ہے" ۔اس میں شر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی گئی، یہ نہیں کہا گیا کہ: "اَشر أَرَدْتَ يَا أَرَادَ رَبُّكَ" بلکہ "أَشَرٌّ أُرِيد" کہا گیا، مجہول کا صیغہ ہے، حالاں کہ یہ بات واضح ہے کہ: ﴿الْقَدْرُ خَيْرُهُ وَشَرُّهُ﴾ جو مقدرات ہیں، اچھی ہوں یا برے، دونوں اللہ کی طرف سے ہیں، مگر یہاں شر کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی گئی۔ اسی کو حسن ادب کہتے ہیں۔

ایک مثال اور لیجیے، جو بہت لطیف ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھوکے تھے، ان کو غذا اور پانی کی ضرورت تھی تو انھوں نے دعا کے صیغہ میں جو امر کے مشابہ ہے: ﴿أطعمني﴾ نہیں کہا، بلکہ یہ فرمایا: ﴿رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ﴾ (القصص:24) "اے میرے پروردگار! (اس وقت) جو نعمت بھی آپ مجھ کو بھیج دیں میں اس کا (سخت) حاجت

مند ہوں"۔اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کا کہنا:﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾(الاعراف:23)"اے ہمارے رب!ہم نے بڑا نقصان کیا اور اگر آپ ہماری مغفرت نہ کریں گے اور ہم پر رحم نہ کریں گے تو واقعی ہمارا بڑا نقصان ہو جائے گا"۔یہاں یہ نہیں کہا کہ اللہ تو نے جو میرے لیے مقدر کیا ہے اور جس کا تو نے فیصلہ فرمایا ہے، بلکہ ظلم کی نسبت اپنی ذات کی طرف کی، جو ادب کا تقاضا تھا۔اسی طرح حضرت ایوب علیہ السلام کا یہ فرمانا:﴿أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾ (الانبیاء:83) ترجمہ:"مجھ کو یہ تکلیف پہنچ رہی ہے اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں"۔اس سے پہلے یہ نہیں کہا:فَعَافِنِي وَاشْفِنِي "یعنی مجھ کو عافیت اور شفا دے"۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے بھائیوں اور والد سے کہنا:﴿هَٰذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَايَ مِن قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا وَقَدْ أَحْسَنَ بِي إِذْ أَخْرَجَنِي مِنَ السِّجْنِ﴾(یوسف:100)"یہ ہے میرے خواب کی تعبیر جو پہلے زمانہ میں دیکھا تھا،جس کو میرے رب نے سچا کر دیا اور اس نے (یعنی خدا نے) میرے ساتھ احسان کیا کہ (ایک تو) اس نے مجھے قید سے نکالا"۔اپنے بھائیوں کا لحاظ اور احترام کرتے ہوئے یہ نہیں فرمایا:"إِذْ أَخْرَجَنِي مِنَ الْجُبِّ"اور جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو یاد دلایا کہ وہ لوگ بھوکے اور خشک سالی سے مجبور ہو کر اپنے گاؤں سے نکل کر آئے تھے ان کو یہ بات یاد دلائی بھی تو اس طرح کہ جب تم کو گاؤں سے نکال لایا تھا:﴿وَجَاءَ بِكُم مِّنَ الْبَدْوِ﴾ یہ بھی احترام کا طریقہ تھا اور فرمایا:﴿مِن بَعْدِ أَن نَّزَغَ الشَّيْطَانُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي﴾(یوسف:100)"بعد اس کے شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈلوایا تھا"۔تو انھوں نے عزت نفس اور سخاوت اور ادب کا حق ادا کیا اور یہ اخلاق کا بلند مقام صرف انبیاء اور پیغمبروں میں دیکھا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں آپس کی گفت گو کا ادب واحترام،حیا اور شرم کا جو تقاضا ہے اس کے مطابق عمل کرنا اور ایسی گفت گو کرنا جو حسن ادب کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے،ہمیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں ملتا ہے،جب وہ فرعون کے قصر حکومت سے نکل کر باہر آئے،جس کی تفصیل سورہ قصص میں ہے کہ جب انھوں نے"ماء مدین" کی طرف آ کر پناہ لی اور کہا:﴿عَسَىٰ رَبِّي أَنْ يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ﴾(القصص:22)"امید ہے کہ میرا رب مجھ کو (کسی مقام امن کا) سیدھا راستہ چلا دے گا"۔تو وہاں دو صاحب زادیاں،پیغمبر زادیاں،اپنی بکریوں کو پانی پلانے کے لیے کھڑی تھیں،اس موقع کے مکالمہ پر غور کیجیے کہ ادب کے نمونے کس آسمانی کتاب میں اس سے بہتر ملیں گے،حضرت موسیٰ ان سے پوچھتے ہیں کہ آپ کیا چاہتی ہیں؟ آپ کی کیا ضرورت ہے؟ انھوں نے کہا کہ میرے والد بوڑھے ہیں،مجھے ان بکریوں کو پانی پلانا ہے،انتظار کر رہی ہوں کہ یہ چرواہے ہٹ جائیں تو میں پانی پلاؤں۔یہاں پر ان صاحب زادیوں نے یہ فرمائش نہیں کہ وہ ان کی بکریوں کو پانی پلا دیں،ایک اجنبی مرد سے اجنبی خاتون کا بات کرنا غایت درجہ مجبوری کی بات تھی،لیکن ان سے فرمائش بھی نہیں کی اور خود حضرت موسیٰ کا یہ کہنا:مَا خَطْبُكُمَا؟ آپ کی کیا حاجت اور آپ کی کیا ضرورت ہے؟ یہ ایک بہترین طرز ادا اور طریقہ کلام ہے،پھر پانی پلانے کے بعد ایک درخت کے سایہ کے نیچے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

فرعون کے شہر سے بھاگے ہوئے آئے تھے، بھوکے تھے، بھٹکے ہوئے تھے، وہاں جو دعا کرتے ہیں وہ بھی حسن ادب کی ایک مثال ہے، کہتے ہیں: ﴿رَبِّ إِنِّی لِمَا أَنْزَلْتَ إِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیرٌ﴾ (القصص: 24) "اے میرے پروردگار! جو نعمت بھی آپ مجھ کو بھیج دیں میں اس کا حاجت مند ہوں"۔ یہ نہیں کہتے ہیں کہ اللہ! ہمیں روٹی دے یا کسی کے دل میں ڈال دے کہ آ کر ہمیں کوئی کھانا کھلا دے، بلکہ کہتے ہیں اے اللہ! میں اس کا محتاج ہوں جو تو نے ہمارے لیے اتارا ہے، خیر کے معنی یہاں پر روزی کے ہیں، جیسے سورۂ عادیات میں خیر مال کے معنی میں ہے: ﴿إِنَّهُ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیدٌ﴾ کا ترجمہ مفسرین نے یہی کیا ہے کہ انسان مال کی محبت میں دیوانہ ہو جاتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کنایہ سے کام لیا اور کہا کہ اے اللہ تو نے جو رزق ہمارے لیے اتارا ہے ہم اس کے طلب گار ہیں۔

پھر ان دونوں لڑکیوں میں سے جس کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پانی بھرا تھا، شرماتی اور لجاتی ہوئی آتی ہیں، ظاہر ہے کہ ایک اجنبی مرد کے سامنے بے باکی سے بات نہیں کر سکتی تھیں، جو کچھ کہا وہ سر جھکا کر شرمیلے انداز میں بیان کیا کہ میرے والد آپ کو بلاتے ہیں، تاکہ آپ نے میری بکریوں کو جو پانی پلایا ہے اس کا بدلہ دیں، جب حضرت موسیٰ وہاں پہنچے اور پوری کہانی سنائی تو حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا کہ آپ ڈریں نہیں، اللہ نے آپ کو ظالم لوگوں سے نجات دی، یہاں پر ان آیات میں ادب واحترام، شرم وحیا، اخلاق انسانیت، پیغمبرانہ اخلاق سب یکجا نظر آتا ہے، یہ قصہ جن آیتوں میں ہے وہ یہ ہیں:

﴿وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْیَنَ وَجَدَ عَلَیْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ یَسْقُونَ وَوَجَدَ مِن دُونِهِمُ امْرَأَتَیْنِ تَذُودَانِ قَالَ مَا خَطْبُکُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِی حَتَّیٰ یُصْدِرَ الرِّعَاءُ وَأَبُونَا شَیْخٌ کَبِیرٌ، فَسَقَیٰ لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّیٰ إِلَی الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّی لِمَا أَنزَلْتَ إِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیرٌ، فَجَاءَتْهُ إِحْدَاهُمَا تَمْشِی عَلَی اسْتِحْیَاءٍ قَالَتْ إِنَّ أَبِی یَدْعُوکَ لِیَجْزِیَکَ أَجْرَ مَا سَقَیْتَ لَنَا، فَلَمَّا جَاءَهُ وَقَصَّ عَلَیْهِ الْقَصَصَ قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِینَ﴾ (القصص: 25-23) "اور جب مدین کے پانی (یعنی کنویں) پر پہنچے تو اس پر (مختلف) آدمیوں کا ایک مجمع دیکھا، جو پانی پلا رہے تھے اور ان لوگوں سے ایک طرف (الگ) کو دو عورتیں دیکھیں کہ وہ (اپنی بکریاں) روکے کھڑی ہیں، موسیٰ علیہ السلام نے (ان سے) پوچھا تمہارا کیا مطلب ہے؟ وہ دونوں بولیں کہ (ہمارا معمول یہ ہے کہ) ہم (اپنے جانوروں کو) اس وقت تک پانی نہیں پلاتے جب تک یہ چرواہے پانی پلا کر (جانوروں کو) ہٹا کر نہ لے جاویں اور ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں، پس (یہ سن کر) موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لیے پانی (کھینچ کر ان کے جانوروں کو) پلایا، پھر (وہاں سے ہٹ کر سایہ میں جا بیٹھے، پھر (جناب باری میں) دعا کی کہ اے میرے پروردگار! (اس وقت) جو نعمت بھی آپ مجھ کو بھیج دیں میں اس کا (سخت) حاجت مند ہوں، موسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک لڑکی آئی، شرماتی ہوئی چلتی تھی (اور آ کر) کہنے لگی کہ میرے والد تم کو بلاتے ہیں تاکہ تم کو اس کا صلہ دیں جو تم نے ہماری خاطر (ہمارے جانوروں کو) پانی پلا دیا تھا، سو جب ان کے پاس پہنچے اور ان سے تمام حال بیان کیا تو انھوں نے (تسلی کی اور) کہا کہ (اب) اندیشہ نہ کرو، تم ظالم لوگوں سے بچ آئے۔" **صلوات اللہ وسلامہ علیہم.**

درسِ نظامی اور دینی مدارس کے مقاصد وموضوع

ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی

مدارسِ دینیہ کے مقصد کے متعلق بعض حضرات خلطِ مبحث کا شکار ہیں۔ جس طرح مختلف کالجز اور یونیورسٹیوں کا مقصد ایک خاص قسم کی تعلیم دینا ہے، اسی طریقے سے مدارسِ دینیہ کا بھی اپنا ایک علیحدہ مقصد ہے۔ مدارسِ دینہ کا مقصد دینی علوم کے ماہرین یعنی علمائے کرام اور مفتیانِ کرام تیار کرنا ہے۔ اس بات کو ایک مثال سے سمجھنے میں سہولت ہوگی۔ دیکھیں! اقوامِ متحدہ کے ذیلی ادارے ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن یعنی عالمی ادارہ صحت کے ۲۰۲۰ء کے اعداد وشمار کے مطابق سرطان یعنی کینسر دنیا بھر میں اموات کی سب سے بڑی وجہ ہے اور ۲۰۲۰ء میں دنیا بھر میں ۲۰ ملین اموات (دو کروڑ اموات) کینسر کی وجہ سے ہوئیں۔ نیز ۲۰۲۲ء کے عالمی ادارہ صحت کے اعداد وشمار یہ ظاہر کرتے ہیں ہمارے ملک میں تقریباً سوا لاکھ اموات مختلف اقسام کے کینسر کی وجہ سے ہوئیں۔

کینسر سے ہونے والی اموات کی تعداد کم کرنے کے لیے ایک شخص یہ سوچتا ہے کہ طبی سہولیات میں بہتری اور طبی ماہرین کی تعداد بڑھائی جانی چاہیے۔ یہ شخص سوچتا ہے کہ چونکہ اس وقت ملک میں کئی ہزار وکلاء، کئی لاء کالجز اور یونیورسٹیاں بھی موجود ہیں، اور کورٹ کچہریوں میں ہزاروں کیس زیرِ التواء پڑے ہیں، سائلین کو بروقت انصاف کی فراہمی میں مشکل پیش آتی ہے، لہٰذا یہ شخص کہتا ہے کہ لاء کالجز و یونیورسٹیوں میں فرسودہ قانون کی تعلیم دی جاتی ہے، بعض قوانین انگریز کے زمانے یعنی ڈیڑھ دوسو سالہ پرانے ہیں اور یہ معاشرے سے ریلیونس Relevance یعنی مناسبت وتعلق نہیں رکھتے، نہ ہی ان کا معاشرے کو کوئی فائدہ ہے، لہٰذا کوشش کی جائے اور لاء کالجز کے تعلیمی نصاب کو تبدیل کیا جائے، آج کل کے دور کے مطابق اس نصاب کو امریکی و یورپی میڈیکل یونیورسٹیوں کے طرز پر ڈھالا جائے اور وکلاء کو عصری طبی علوم کی تعلیم دی جائے۔ ایسا کر کے یہ وکلاء برادری معاشرے کے کارآمد شہری بن سکتے ہیں اور معاشرے میں ہم طبی ماہرین کی معتدبہ تعداد پیدا کر سکیں گے جو کہ عالمی وملکی سطح پر کینسر سے ہونے والی اموات میں کمی لا سکیں گے۔ نیز ایسا کرنے سے معاشرہ کے ملی مقاصد اور طبی ضروریات پورے کرنے میں بھی مدد ملے گی اور ''قانون وطب کا حسین امتزاج'' کا خواب بھی پورا ہوگا۔

ظاہری طور پر یہ سوچ مخلصانہ لگتی ہے، مگر یہ خلطِ مبحث ہے۔ دیکھیے! طبی ماہرین کی اپنی اہمیت ہے اور وکلاء، لاء کالجز و یونیورسٹیوں اور قانون کی تعلیم کی اپنی اہمیت ہے۔ کسی ایک شعبے کی اہمیت کا اقرار کرتے ہوئے ہم دوسرے شعبے کی اہمیت سے انکار نہیں کر سکتے، لہٰذا یہ سوچنا کہ لاء کالجز کو ہی بند کر دیا جائے، اور وکلاء کو ہی مطعون وبدنام کیا جائے کہ آپ معاشرے کے کارآمد شہری نہیں ہیں، ایسی سوچ غیر مناسب ہوگی۔ یہ سوچ بھی نامناسب ہوگی کہ چونکہ لاء کالجز اور یونیورسٹیوں سے قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد بعض نوجوان وکیلوں کو فوراً کوئی جاب نہیں ملتی اور مالی دشواریاں پیش

آتی ہیں، لہٰذا لاء کالجز و یونیورسٹیوں کے نصاب میں ہی طبی تعلیم کے نصاب کو شامل کیا جائے۔ ایسا کرنے سے فارغ التحصیل طلبائے کرام میں نہ ہی قانون کی تعلیم میں پختگی ہوگی اور نہ ہی میڈیکل سائنس میں انہیں گہرائی وعبور حاصل ہوگا، بلکہ ایسی تعلیم سے اُلٹا نقصان ہوگا۔

دیکھیے! اگر کینسر سے اموات کو کم کرنا ہی ہے تو اس کے لیے حکومتی سطح پر پالیسی بنائی جائے، عوام میں کینسر سے متعلق شعور و آگہی بڑھائی جائے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ میڈیکل ریسرچ پر خطیر سرمایہ خرچ کیا جائے، تاکہ کینسر کے مرض کی بروقت تشخیص ممکن ہو۔ نیز میڈیکل یونیورسٹیوں میں اعلیٰ معیار کی تعلیم ہو، ان کا نصاب عالمی معیار کی طبی یونیورسٹیوں سے ہم آہنگ ہو، میڈیکل ریگولیٹری ادارے اپنے فرائض تندہی سے انجام دیں، اور سب سے بڑھ کر ایسے میڈیکل ڈاکٹر اور طبی ماہرین پیدا کیے جائیں جو کہ اپنے شعبے میں مہارت رکھتے ہوں، عالمی معیار کی تحقیق کرتے ہوں، ان میں ملک وملت اور انسانیت کی خدمت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہو اور پھر وہ اپنی تمام تر صلاحیتیں لگا کر کینسر سے ہونے والی اموات میں کمی لانے میں صرف کریں۔ خلاصہ یہ کہ اگر کسی کو کینسر سے ہونے والی اموات کے بارے میں فکر ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اموات کی یہ تعداد کم ہو تو وہ موجودہ طبی نظام ہی کو مضبوط اور بہتر کرنے کی کوشش کرے، چہ جائیکہ لاء کالجز کے نصاب میں میڈیکل کا نصاب داخل کرے۔

قارئین! ہماری مندرجہ بالا مثال کو ذہن میں رکھتے ہوئے غور فرمائیں کہ مدارسِ دینیہ سے متعلق بھی بعض لوگوں کو خلطِ مبحث ہو چکا ہے۔ دیکھیے! جس طریقے سے لاء کالجز اور لاء یونیورسٹیوں کا مقصد قانون کی تعلیم دینا ہے، اسی طریقے سے مدارسِ دینیہ کا بھی اپنا ایک علیحدہ مقصد ہے۔ مدارسِ دینیہ سے متعلق یہ سوچنا کہ یہاں سے انجینئر، میڈیکل ڈاکٹر، سرجن، سائنسدان، محقق، معاشی ماہرین، اور آرٹیفیشل انٹیلی جنس یعنی مصنوعی ذہانت کے ماہر نکلیں گے، یہ سراسر غلط سوچ ہے۔ جس طریقے سے لاء کالجز کے نصاب میں جدید طب کے نصاب کو شامل نہیں کیا جاسکتا، اسی طریقے سے مدارسِ دینیہ کے نصاب میں کسی دوسرے سائنسی شعبے مثلاً انجینئرنگ، میڈیکل سائنس، معاشیات، کمپیوٹر سائنس، مصنوعی ذہانت و دیگر سائنسی شعبوں کے نصاب کو شامل نہیں کیا جاسکتا۔ جس طریقے سے لاء کالجز سے قانونی ماہرین ہی نکلیں گے، میڈیکل یونیورسٹیوں سے میڈیکل ڈاکٹر اور سرجن ہی نکلیں گے، انجینئرنگ یونیورسٹیوں سے انجینئر ہی نکلیں گے، اسی طریقے سے مدارسِ دینہ سے بھی دینی علوم کے ماہرین، یعنی علمائے کرام اور مفتیانِ کرام ہی نکلیں گے۔

ایک اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ لاء کالجز میں تعلیم حاصل کرنے والوں کو کسی حد تک انگریزی اور کمپیوٹر کے بنیادی اسکلز یعنی ہنر آتے ہیں، اسی طریقے سے مدارسِ دینیہ سے فارغ ہونے والے علمائے کرام اور مفتیانِ کرام کو انگریزی اور کمپیوٹر کے بنیادی اسکلز آنے چاہئیں۔ دیکھیے! انگریزی تعلیم اور کمپیوٹر کے بنیادی اسکلز کی اہمیت اور ضرورت کے درجے میں ان کے استعمال سے کوئی انکار نہیں کر رہا۔ اگر لاء کالج سے قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد تھوڑی انگریزی اور کمپیوٹر

سیکھ لینے کے بعد کوئی یہ سوچے کہ وہ کمپیوٹر سائنسدان، مصنوعی ذہانت کا ماہر، میڈیکل سرجن، معاشی ماہر یا انجینئر بن چکا ہے، اور تھوڑی بنیادی انگریزی و کمپیوٹر کے اسکل یعنی ہنر سیکھ کر قانون کی تعلیم حاصل کرنے والا دیگر سائنسی شعبوں میں زندگی کھپانے والوں کا مقابلہ کرسکتا ہے، تو جس طریقے سے یہ سوچنا غلط ہے، اسی طریقے سے مدارسِ دینیہ کے طلبائے کرام کو انگریزی اور چند کمپیوٹر اسکلز سکھانے کے بعد یہ دعویٰ کرنا کہ یہاں سے عالمی سطح کے سائنسدان، محققین، انجینئر، میڈیکل سرجن، معاشی ماہرین وغیرہ نکلیں گے، یہ بھی بالکل غلط سوچ ہے۔ ایں خیال است ومحال است وجنوں۔

اسی کا شاخسانہ ہے کہ آج عملی طور پر جو لوگ ''دینی وعصری علوم کا حسین امتزاج'' کی دو کشتیوں میں سوار ہیں، اُن میں سائنسی علوم میں گہرائی اور عالمی معیار کی سائنسی تحقیق کا فقدان ہے۔ کہنے کو تو یہ لوگ ''ڈاکٹر'' یا ''انجینئر'' یا ''فنانشل ایکسپرٹ'' بھی ہیں اور مدارسِ دینیہ کے فاضل بھی، مگر سائنسی میدان میں عالمی سطح پر ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ دراصل سائنس کے عنوان سے چند مدارسِ دینیہ میں ایسے لوگوں کی کھیپ تیار ہونا شروع ہوچکی ہے جو کہ سائنس کی مخالفت کررہے ہیں اور سائنس کے لبادے میں ایسی سائنسی تحقیق ومقالے شائع کررہے ہیں جن کو پڑھ کر عالمی سطح پر ملک کا نام اور بالخصوص مدارسِ دینیہ کا نام بدنام ہورہا ہے۔ غرض ایسے لوگوں کو نہ دینی علوم میں گہرائی حاصل ہے اور نہ ہی سائنسی علوم میں گہرائی، الا ماشاءاللہ، ''نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے۔''

مدارسِ دینیہ کے موضوع ومقصد کو سمجھنے کے لیے ہم ایک اقتباس پیش کرتے ہیں: ''حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بعد کی بات ہے اور اس وقت اُن کے فرزند ارجمند حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تھے، مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے والد ہیں۔ اب اس زمانے میں انگریزی مستحکم ہوچکی تھی اور ریاستیں بن چکی تھیں اور سارا سسٹم ڈویلپ ہوچکا تھا۔ اس زمانے میں ریاستیں تھیں اور ان میں سب سے مالدار ریاست حیدرآباد دکن کی ریاست تھی، حضرت حافظ صاحبؒ بحیثیت مہتمم دارالعلوم دیوبند، دکن کے سفر پر گئے تو وہاں کے نواب صاحب سے ملاقات ہوئی، نواب صاحب نے استقبال اور دعوت بھی کی، اس کے ساتھ ایک پیشکش بھی کی کہ ''حضرت! ہم نے تجربہ کیا ہے کہ آپ کے پڑھے ہوئے بچے جہاں جاتے ہیں، ہم اُن کو سروسز میں لگاتے ہیں تو وہ کارکردگی، دیانت اور صلاحیت میں بھی دوسروں سے بہتر ثابت ہوتے ہیں، یہ ہمارا تجربہ ہے، لہٰذا مجھے یہ خواہش پیدا ہوئی ہے کہ آپ ہمارے ساتھ معاہدہ کرلیں کہ جتنے فارغ طلباء ہیں انھیں ہمارے پاس بھیج دیں، ہم انھیں ملازمتیں دیں گے، اور آپ کا سارا خرچہ ہم دیں گے۔'' وہ زمانہ اچھا تھا، حافظ صاحبؒ نے فوراً معاہدہ نہیں کیا؛ بلکہ فرمایا کہ: پہلے ہم اپنے بزرگوں سے پوچھ لیں۔ حافظ صاحبؒ واپس آئے، اس وقت دیوبند میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ صدر مدرس تھے اور حافظ احمد صاحبؒ مہتمم تھے، تو انھوں نے حضرت شیخ الہندؒ سے ذِکر کیا کہ نواب صاحب نے یہ پیشکش کی ہے؛ لہٰذا ہمارے تو دونوں مسئلے حل ہوگئے ہیں۔ آج کا سب سے بڑا مسئلہ بھی یہ ہے کہ کھپنا کدھر ہے، کیا دورۂ حدیث کرنے کے بعد ملازمت ملے گی؟ اور چندے سے جان بھی چھوٹ جائے گی۔ مہتمم کو اور

کیا چاہیے! دونوں مسئلے حل ہو گئے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے پوچھا کہ: ''مولوی احمد! وعدہ تو نہیں کر آئے؟'' انھوں نے فرمایا: ''نہیں حضرت! مجھے آپ سے پوچھنا تھا۔''

حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا: ''ایسا کرو کہ گنگوہ جاؤ، ہمارے بڑے وہ (حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ) ہیں، ان کو جا کر سنا دو۔'' اس زمانے میں یہ ماحول تھا۔ گنگوہ وہاں سے کئی میل کے فاصلے پر ہے، لہٰذا حافظ صاحبؒ وہاں گئے اور حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں ساری بات پیش کی اور ویسے بھی وہ حضرت گنگوہیؒ کے شاگرد تھے۔ حضرت گنگوہیؒ نے پوچھا: ''مولوی احمد! اس بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟'' مولانا احمد صاحبؒ نے کہا: ''حضرت! ہمارے دونوں مسئلے حل ہو سکتے ہیں، فارغ ہونے والوں کی ملازمتوں اور مدرسہ کے خرچے کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے، میرا خیال ہے کہ پیشکش قبول کر لینی چاہیے۔'' حضرت گنگوہیؒ کا جملہ حضرت مفتی صاحبؒ نے نقل کیا ہے، میں عرض کر دیتا ہوں، فرمایا: ''احمد! میں تجھے بے وقوف تو سمجھتا تھا؛ مگر اتنا نہیں، اللہ کے بندے! ہم نے یہ مدرسے نواب حیدر آباد کی ریاست چلانے کے لیے بنائے ہیں؟ بلکہ ہم نے اس لیے بنائے ہیں کہ مسلمانوں کو مسجد میں امام، خطیب، مفتی، مدرس، حافظ اور قاری ملتا رہے۔ بھاڑ میں جائے حیدر آباد کی ریاست، ہم نے مدرسے اس لیے بنائے ہیں کہ مسجدیں آباد رہیں، قرآن پاک کی تعلیم چلتی رہے، لوگوں کو مسئلے بتانے والے ملتے رہیں، ہمیں (اس پیشکش کی) ضرورت نہیں ہے۔'' (حوالہ: قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ: تعارف وخدمات- خطاب از حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب مدظلہ، ماہنامہ دار العلوم، شمارہ: ۲، جلد: ۱۰۷، رجب المرجب ۱۴۴۴ھ مطابق فروری ۲۰۲۳ء)

قارئین! مدارسِ دینیہ کے مقاصد و موضوع بالکل واضح ہیں۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے بارہا اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ: ''ہماری دینی درسگاہوں کا اصل موضوع علومِ کتاب وسنت ہیں، انہیں کی افہام وتفہیم، تعلُّم وتعلیم، توضیح وتشریح، تعمیل واتباع اور تبلیغ ودعوت اور ایسے رجال کار پیدا کرنا ہے جو اس تسلسل کو قائم رکھ سکیں، بس یہی ان مدارس کا مقصودِ اصلی ہے۔'' (حرفِ آغاز، ماہنامہ دار العلوم، ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ، مطابق مئی ۲۰۰۷ء)

بعض حضرات دینی مدارس کے نظام ونصاب میں ترجیحات واصلاحات کے قائل ہیں، مگر یہ حضرات ان مدارسِ دینیہ کے مقاصد وموضوع کی تشریح کرتے ہوئے اتنے آگے نکل چکے ہیں کہ ان حضرات کے مطابق مدارسِ دینیہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ قوم کو لیڈر، سیاستدان، جرنل، جج، وکیل، میڈیکل ڈاکٹر، محقق، سائنسدان، معاشی ماہر، آرٹیفیشل انٹیلی جنس یعنی مصنوعی ذہانت کا ماہر، گرافک ڈیزائنر، ویڈیو ایڈیٹر، ویب ڈیولپر، کونٹنٹ رائٹر یعنی مواد تحریر کرنے والے، سرچ انجن آپٹی مائیزیشن کے ماہر، ٹریڈرز، کمپیوٹر پروگرامرز، کمپیوٹر گیمنگ ایکسپرٹ وغیرہ دیں۔ غرض ان تمام شعبوں کا ماہر بنانا دینی مدارس کا مقصد وموضوع ٹھہرا۔ دینی مدارس کا مقصد وموضوع نہ ٹھہرا تو وہ دینی علوم میں پختگی، علومِ کتاب وسنت کی افہام وتفہیم، تعلُّم و تعلیم، توضیح وتشریح، تعمیل واتباع اور تبلیغ ودعوت ہے! فإنا لله وإنا إليه راجعون۔

شاعر مشرق علامہ اقبال کی نظم ''شاہین'' ایک مطالعہ

عمر فاروق فتحپوری ندوی

علامہ اقبال اردو شعر و بیان کی بہت بڑی شخصیت ہے، وہ اتنے بڑے شاعر ہیں کہ ان کی ''شوخیٔ گفتار کے چرچے'' ہندوستان، پاکستان کے فلک بوس پہاڑوں اور ناپیدا کنار سمندروں سے گزر کر انگلستان، جرمنی اور ایران کے ادبی حلقوں سے خراج تحسین وصول کر رہے ہیں، ان کی پر جوش، پر معانی، ہنگامہ خیز اور غلغلہ انگیز شاعری آج بھی وہی تاثیر رکھتی ہے جو آج سے 80 برس قبل اقبال کے دور حیات میں رکھتی تھی، وسعت اثر اور مضامین کی رفعت کے باب میں برصغیری شعراء میں سے کم ہی افراد کو اقبال کی سی ہمہ گیری حاصل ہے، علامہ اقبال کا مرتبہ جس طرح اردو شعر و بیان میں بہت بلند و بالا ہے، اسی طرح وہ اسلامی روایت کی بھی گنی چنی شخصیات میں سے ہیں، انہوں نے اسلامی فکر اور اسلامی تہذیب کے دور تنزلی میں مایوسی کے مدلل و متحقق ہو جانے کے باوجود یہ صدا بلند کی کہ ایک دروازہ ہے جو ابھی تک کھلا ہوا ہے اس دروازے کو میرے جذبۂ انقلاب سے دیکھنے کی سعی کرو، اور درحقیقت اقبال کا یہ دوسرا پہلو جس میں وہ مفکر، مدبر، مصلح اور انقلاب اسلامی کے حدی خواں کے طور پر نظر آتے ہیں، اس قدر وسیع و ہمہ گیر ہے کہ اقبال کے تمام دوسرے پہلو اس میں آکر ضم ہو جاتے ہیں، حتی کہ اقبال کی شاعری جو فنی طور پر اوج کمال کو پہنچی ہوئی ہے وہ بھی اقبال کے اس پہلو کے سامنے مسخر نظر آتی ہے اور وہ انقلاب فکر اسلامی کی حدی خوانی کے طور پر اس سے کام لیتے ہیں۔

غرض یہ کہ فکر اسلامی کا احیا اور امت مسلمہ کے تن مردہ میں قرآنی روح پھونکنا ہی ان کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بن گیا تھا، اسی لیے ان کی شاعری کا قشر بالائی خواہ جو کچھ ہو مگر اس کی تہ اور کنہ میں اسی فکر اسلامی اور فکر قرآنی کی جلوہ گری ہوتی ہے، وہ اپنے جذبات و کیفیات کو محسوسات کا آہن پہنانے کے لئے بطور تمثال و استعارہ ایسے عناوین باندھتے ہیں جن سے ان کا پیغام، الفاظ سے آگے بڑھ کر تصویری شکل اختیار کر لیتا ہے، اقبال کی نظم ''شاہین'' اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔

شاہین: اقبال کے استعارے میں ایک مکمل انسان اور کامل مؤمن کی تصویر ہے، چنانچہ اس نظم کی پہلی بڑی اور فنی خوبی وہ اس کا آہنگ اور لے ہے، اقبال اپنی عادت کے عین مطابق شاہین کی تصویر بناتے ہیں اور پھر اسے آواز دیتے ہیں جو شاہین سے مناسبت رکھتی ہے یعنی شاہین اڑ رہا ہے، جست لگا رہا ہے، اوپر جا رہا ہے۔ دراصل اقبال اپنی زندگی میں شاہین اور عقاب سے بہت متاثر تھے، وہ اس میں ایسی خوبیاں دیکھتے تھے جو ایک مثالی مومن میں پائی جاتی ہیں۔

چنانچہ اس نظم میں اقبال بتاتے ہیں کہ سچا مسلمان اور کامل مؤمن دنیا میں رہتا تو ہے مگر دنیا سے بلند ہو کر، اس شخص کی کچھ خوبیاں اور کچھ رویے ہوتے ہیں جو اسے دنیاوی معیارات سے بلند کرتے ہیں، مثلاً اس شخص میں اپنے مفادات، معمولی مقاصد سے بے نیازی پائی جاتی ہے، اس کا مقصد دنیا حاصل کرنا نہیں ہوتا بلکہ اللہ کی طرف سے اترنے والی ذمہ

داری کو انجام دینا ہوتا ہے اور یہی آدمی فی الحقیقت اللہ کا نائب ہے، اس شخص کے بنیادی امتیازات یہ ہوتے ہیں کہ یہ لالچی نہیں ہوتا، خودغرض نہیں ہوتا، دوسروں کے لیے مضر نہیں ہوتا، کاہل نہیں ہوتا، ہر وقت و ہر لحظہ متحرک رہتا ہے اور اس کی فطرت میں ایک بلندی پائی جاتی ہے، جو چھوٹی چیزوں کی طرف اسے مائل نہیں ہونے دیتی، اس کی روح میں ایک درویشی ہوتی ہے، وہ درویشی جس میں دنیا کا ہونا نا ہونا، دولت وثروت کا ہونا نا ہونا ایک جیسا حل رکھتے ہیں اور پھر سب سے بڑھ کر یہ خوبی کہ اسکی خلوت اس کی جلوت سے زیادہ پر معانی ہوتی ہے، یہ تنہا ہوجانے سے نہیں ڈرتا بلکہ اسکی تنہائی دراصل اس کے بلند مقاصد کے ساتھ اس کے تعلق کو مضبوط بناتی ہے، اسے خود کی تعمیر کرنے کا موقع فراہم کرتی ہے۔

الغرض یہ نظم علامہ اقبال کی ان نظموں میں سے ایک ہے کہ جب ہم اس کو پڑھیں اور اس کی گہرائیوں میں غوطہ زنی کریں تو پھر اختتام تک پہنچتے پہنچتے ہم وہ نہیں رہیں گے جو پہلے تھے، اس نظم کو پڑھ لینے کے بعد کشت ویراں میں زرخیزی کا عمل شروع ہوجائے گا، عروق مردہ میں پھر سے خون زندگی گردش کرنے لگے گا، اور پڑھنے والا سستی، کاہلی، بے معنی و بے مقصد اور حرص وطمع سے لت پت زندگی کو خیرآباد کہہ کر ایک نئی متحرک اور فعال زندگی کی داغ بیل ڈالے گا اور پھر اسکی عقابی روح سے یہ صدا بلند ہوگی:

تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
تیرے سامنے آسماں اور بھی ہیں

اور اسی شعر کی تشریح اقبال ہی کی زبانی:

مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے
مؤمن کا مقام ہر کہیں ہے

پوری نظم ملاحظہ کیجئے:

کیا میں نے اس خاک داں سے کنارا — جہاں رزق کا نام ہے آب ودانہ
بیاباں کی خلوت خوش آتی ہے مجھ کو — ازل سے ہے فطرت مری راہبانہ
نہ بادِ بہاری، نہ گل چیں، نہ بلبل — نہ بیماری، نغمہ عاشقانہ
خیابانیوں سے ہے پرہیز لازم — ادائیں ہیں ان کی بہت دلبرانہ
ہوائے بیاباں سے ہوتی ہے کاری — جواں مرد کی ضربت غازیانہ
حمام وکبوتر کا بھوکا نہیں میں — کہ ہے زندگی باز کی زاہدانہ
جھپٹنا، پلٹنا، پلٹ کر جھپٹنا — لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ
یہ پورب، یہ پچھّم چکوروں کی دنیا — مرا نیلگوں آسماں بیکرانہ
پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں — کہ شاہیں بناتا نہیں آشیانہ

عالم اسلام اور استشراق

مولوی شبیر ثاقب

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ فرنگی استعمار نے ہم مسلمانوں کے درمیان ایک ایسی جماعت تشکیل دی ہے جن کا مقصدِ شنیع' اسلام کو زوال وپستی کی جانب دھکیلنے کی ناپاک جسارت ہے، جن کے قلوب ''أصابع الرحمٰن'' کے بجائے ''أصابع الشیطان'' کا مصداق بنتے ہیں، وہ اپنے مخصوص ناپاک عزائم کے لیے اسلام کی غیر حقیقی اور مسخ شدہ تصویر پیش کرتے رہے، یہی وجہ ہے کہ موجودہ عالمِ اسلام کے اکثر زعماء وپیشوا جنہوں نے اعلیٰ مغربی درسگاہوں میں تعلیم پائی، اپنی ذہنی فکری آبیاری وہیں سے کرتے رہے۔ مزید برآں ان کے ذہنوں میں اس قدر تعفُّن رچ بس گیا کہ اسلام کے ماضی کی طرف سے بدگمانی، حال کی طرف سے بیزاری اور مستقبل کی طرف سے مایوسی نے ان کو اصلاحِ مذہب پر مجبور کر دیا۔

ان تمام تر نامساعد سازشوں میں سے اور مختلف مقاصد میں سے ایک بنیادی مقصد یہ ہے کہ اسلام کو لوگوں کے سامنے اس انداز سے پیش کیا جائے کہ ان کی نگاہوں میں اسلام کی قدر ومنزلت نہ رہے اور انسانی جدید تہذیب، ترقی میں اسلام کو مزاحم اور حاجب سمجھے اور مسلمانوں کو اپنے دین واسلام کے متعلق اس قدر متنفر اور متردّد بنا دیا کہ اسلامی اخلاقی اقدار و روایات کو مغربی اقدار وتہذیب کے مقابل میں فروتر محسوس کرنے لگے اور ان کو اس بات پر آمادہ کیا کہ اسلامی اَساسی اصول و اَقدار کی یگانگی نے انہیں مغربی تہذیب واَقدار اور عہدِ جدید کے تقاضوں سے بیگانہ کر دیا جو کہ تنگ نظری اور رجعت پسندی ہے۔ یہ فتنہ پرداز اور ناعاقبت اندیش جماعت روزِ اول سے اسلامی روایات وعقائد کے متعلق ایسے شکوک وشبہات اور ملال پیدا کرتے ہیں کہ جس سے ایک کمزور عقیدہ سادہ لوح مسلمان کے ایمان کا جنازہ نکل جائے، اس جماعت کو عام طور سے مستشرقین کہا جاتا ہے جو اپنے علمی تبحر واُشغال سے گہری وابستگی کی بنا پر مغرب ومشرق کے علمی، سیاسی، سماجی حلقوں میں اِکرام وتعظیم کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔

ان کے علم وتحقیق کو اور دلائل وشواہد کو قولِ فیصل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس استشراق کی تاریخ بہت پرانی ہے، وہ تیرہویں صدی کے اوائل سے اپنے مذموم عزائم کی ابتدا کرتے ہیں، جن محرکات میں سے دینی محرکات، سیاسی محرکات، سماجی محرکات پیش پیش ہیں، ان کا بڑا مقصد مذہبِ عیسوی کی اشاعت وترویج ہے اور اسلام کو اس انداز سے پیش کرنا کہ مذہبِ مسیحیت کا تفوُّق خود بخود ثابت ہو جائے اور تعجب خیز امر یہ ہے کہ یہ ایک ایسی جماعت ہے کہ قرآن وحدیث، سیرتِ نبوی اور اَساسی فقہی اصول اور اسلامی روایات واَقدار میں گہری نظر اور جامع معلومات رکھتے ہیں، اس کے باوجود اخلاقی روحانی فائدہ نہیں اُٹھا سکے، کیونکہ ان کے قلب وجاں پر کوئی انقلابی اثر ہی نہیں پڑا اور یہ بدیہی سی بات ہے کہ نتائج ہمیشہ مقاصد کے تابع ہوتے ہیں، اگر مقاصد میں حسنِ نیت اور خلوصِ نیت شامل ہو تو اچھے ثمرات مرتب ہوتے ہیں۔

طریقۂ واردات یہ ناعاقبت اندیش جماعت اکثر ایک برائی بیان کرتے ہیں اور اس کو دماغوں میں بٹھانے کے لیے بڑی فیاضی کے ساتھ اپنے ممدوح کی دس خوبیاں بیان کرتے ہیں، تاکہ پڑھنے والے کا ذہن ان کے انصاف، وسعتِ قلبی، بے تعصبی سے مرعوب ہوکر ایک برائی کو قبول کرلے، ان کے ناپاک عزائم میں سے بنیادی مقصد اسلامی عقائد و نظریات پر طنز وتعریض ہے، مثلاً وہ وحی پر کلام کرتے ہوئے وحی کو اپنی عقل کے سانچے میں ڈھالنے کی ناپاک کوشش کرتے ہیں اور اس کو عقل سے ماوراء اور مستغرب سمجھتے ہیں اور وحی کو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی داخلی کیفیت سے تعبیر کرتے ہوئے نفس الامر خارج میں حسی نزولِ وحی کا انکار کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں وہ اعجاز القرآن کی بھی لامحالہ نفی کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ تمام ذخیرۂ احادیث کو فرضی جعل سازی پر محمول کرتے ہیں۔

مستشرقین عالمِ اسلام کو جدید تقاضوں کی طرف بلاتے ہیں، مغربی تہذیب واَقدار کو معیار بنا کر پیش کرتے ہیں اور اسلامی نظریات وعقائد کو فرسودہ خیالی، رجعت پسندی پر محمول کرتے ہیں۔ اس وقت موجودہ عالم اسلام کے زعماء وارباب اختیار حکمران عمومی طور سے مغرب کے زیرِ اثر ہیں، جو اسلام سے دستور اور شریعت کا عنصر نکالنے کے درپے ہیں۔ ماضی قریب میں مصطفیٰ کمال اتاترک جو کہ عالم اسلام کے زعماء طبقے کے معیار وآئیڈیل تھے، موصوف سرزمینِ ترک میں مغربی افکار وتہذیب کے امین اور مغربیت کے سب سے بڑے نقیب تھے۔ موصوف کے زعم میں ترقی اس وقت تک ممکن نہ تھی جب تک کہ اسلام کے اثر ونفوذ کو ختم نہ کیا جائے، ان کے زعم میں اسلامی روایات واُصول، رجعت پسندی اور فرسودہ خیالی کا مظہر ہیں، جو کہ انسانی جدید ترقی کے لیے مانع ہیں، اس پر مستزاد یہ ہے کہ جدید سائنسی دور میں فنونِ لطیفہ کے حصول کے لیے اسلامی تعلیمات کو پس پشت ڈالنا اشد ضروری ہے۔

صد افسوس کہ موجودہ عالم اسلام کے زعماء، حکمران طبقہ، اربابِ اختیار، مغرب اور استشراق کے زیر اثر نہ رہتے تو مظلوم فلسطینی مسلمانوں کے درد سے ان کے سینے شعلہ زن ہوتے، کبھی پسپائی، ہزیمت ورسوائی کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ دینی حمیت وغیرت، اسلام کی اشاعت اور اعلاء کلمۃ الحق کا جذبہ کبھی ماند نہ پڑ چکا ہوتا اور ان مغرب زدہ حکمرانانِ اسلام کا اسلامی روایات سے تجاہل اور اِغماض برتنا محض اقتدار، دنیا طلبی، کیف وسرور کی خاطر ہی ہے۔ کاش! حکمرانِ اسلام حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور بہادری کو تاریخ کے اوراق میں سطحی نظر سے پڑھ لیتے، مردِ مجاہد اپنی والدہ کے ایما پر مظلوم کی آواز بن کر بغیر آلاتِ حرب کے ظالم جابر سفاک حجاج بن یوسف اور حصین کا بے خوف وخطر ڈٹ کر مقابلہ کیا، نہ اَفرادی قوت دیکھی، نہ آلاتِ حرب کو دیکھا، محض مظلوم کی آواز بن کر اہلِ حرم کا محافظ بن کر، دینی مجاہد بن کر اپنے اکابرین صحابہؓ اور پیغمبرانہ اسلوب کا امین بن کر، مردِ مجاہد سربکف بن کر سرنگوں ہونے کے بجائے نظام باطل کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ یہی وہ ثمرہ ہے کہ میرا قلم وقرطاس ان کی شجاعت ودلیری سے رطب اللسان ہے۔

غلط خبریں پھیلانے کی وبا

مفتی سید انور شاہ

سوشل میڈیا نے جہاں رابطوں کو عام، تعلقات کے دائرے کو وسیع اور مسافت کے پیمانے کو بدل کر ہر شخص کو کہنے، لکھنے کا موقع فراہم کیا ہے، وہاں جھوٹ، الزام تراشی اور غلط خبریں پھیلانے کی وبا بھی انتہائی عام اور آسان ہوگئی ہے۔ اس سے قبل تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ دنیا کے کسی بھی گوشے میں ہونے والا واقعہ سوشل میڈیا کے ذریعے سیکنڈوں میں دوسری جگہ پہنچ جاتا ہے۔ خطرناک اور افسوسناک بات یہ ہے کہ سوشل میڈیا پر کسی بھی خبر یا افواہ کو تحقیق سے بھی پہلے پوری دنیا میں نشر کیا جاتا ہے۔ معلومات درست ہوں یا غلط، کوئی اس جھنجھٹ میں پڑتا ہی نہیں۔ اردو میں مشہور ضرب المثل ہے کہ ''جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے'' مگر اب سوشل میڈیا کے ذریعے اس کے ایسے پر نکل آئے ہیں، جس نے پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ ہمارے ماحول میں زندگی کا کوئی گوشہ اس سے خالی نہیں رہا، چھوٹے بھی، بڑے بھی، امیر بھی، فقیر بھی، رئیس بھی، مزدور بھی، خوش حال بھی، مفلس بھی، عالم بھی، جاہل بھی، نامور بھی، گمنام بھی، تعلق دار بھی، رعایا بھی، مجسٹریٹ بھی اور چپراسی بھی، مذہبی اور سیاسی اختلاف رکھنے والے بھی، نیچے سے اوپر تک اس وبا کا شکار نظر آتے ہیں۔

کھلا جھوٹ تو ایسی چیز ہے جسے ہر شخص برا سمجھتا ہے، اس میں مسلمان اور کافر کی بھی قید نہیں، ان سے بھی اگر پوچھا جائے کہ جھوٹ بولنا کیسا ہے؟ تو یقیناً ان کا جواب بھی یہی ہوگا کہ بہت برا ہے، لہٰذا ایسے لوگوں کو جب کبھی اپنے کردار کی درستگی کا خیال آئے گا تو وہ جھوٹ سے بھی توبہ کرلیں گے۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ دورِ حاضر میں جھوٹ کی بہت سی ایسی صورتیں تیزی سے وجود میں آگئی ہیں، جنہیں بہت سے لوگ جھوٹ سمجھتے ہی نہیں، لہٰذا انہیں یہ خیال ہی نہیں آتا کہ ان سے کوئی غلط کام سرزد ہو رہا ہے، حالانکہ اسلام نے تو ان چور دروازوں کی بھی نشاندہی فرمائی ہے جہاں سے انسان کی نفسانی خواہشات حیلے بہانے تلاش کرسکتی ہیں۔ نفسِ انسانی کی ایک فطرت یہ ہے کہ جس برائی کا الزام وہ براہِ راست اپنے سر نہیں لینا چاہتا، اسے کسی اور شخص کے کندھے پر رکھ کر انجام دینے کی کوشش کرتا ہے، تاکہ مقصد بھی حاصل ہوجائے اور اپنے اوپر حرف بھی نہ آئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جھوٹ کے سلسلے میں انسان کی اس نفسانی کیفیت کو نہایت لطیف اور بلیغ پیرائے میں بیان فرمایا ہے۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ''اِحیاء العلوم'' میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے: ''بِئس مطیّة الکذب زَعَمُوا'' جھوٹ کی بدترین سواری یہ فقرہ ہے کہ ''لوگ یوں کہتے ہیں۔'' مطلب یہ ہے کہ جو لوگ براہِ راست جھوٹ بولنے سے کتراتے ہیں، وہ بے بنیاد اور بے تحقیق باتیں لوگوں کے سر پر رکھ کر کہہ دیتے ہیں کہ: ''لوگ تو یوں کہتے ہیں: ''لوگوں میں یہ بات مشہور ہے''، ''لوگوں کا کہنا تو یہ ہے۔'' یہ وہ جملے اور فقرے ہیں جو جھوٹ کے الزام سے بچنے کے لیے ایک ڈھال کے طور پر استعمال کیے جاتے ہیں۔ جھوٹ جو اپنے پاؤں چل کر نہیں پھیل سکتا، اس قسم کے فقروں

پر سوار ہو کر پھیل جاتا ہے، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فقرے کو ''جھوٹ کی سواری'' قرار دیا۔

یہ تو ایک لطیف اور استعاراتی پیرائے کا بیان تھا جو حقائق پر نگاہ رکھنے والوں کے لیے بڑا مؤثر اور دل میں اُتر جانے والا ہے، لیکن اسی بات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث میں بالکل سادہ اور عام فہم الفاظ میں بھی ارشاد فرمایا جسے ہر شخص ہی سمجھ جائے، فرمایا: ''کفٰی بالمرءِ کَذِباً أن یُحدِّثَ بکُلّ ما سَمِعَ'' (انسان کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے کہ وہ ہر وہ بات دوسروں کو سنانے لگے جو اس نے کہیں سے بھی سن لی ہو۔) دونوں ارشادات کا منشا اور مقصد درحقیقت یہ بتانا ہے کہ ایک سچے مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ہر کچی پکی بات جو کہیں سے اُڑتی ہوئی ہاتھ آ گئی، اسے آگے چلا دے۔

یاد رکھیے! اس سے افواہیں جنم لیتی ہیں، جھوٹی باتیں معاشرے میں پھیلتی ہیں اور متضاد افواہوں کے گرد و غبار میں حقیقت کا چہرہ مسخ ہو کر رہ جاتا ہے۔ قرآن کریم نے بھی ایسی بے تحقیق افواہیں پھیلانے کی پرزور مذمت کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں یہ منافقین کا وطیرہ تھا کہ وہ مسلمانوں کے درمیان ایسی افواہیں پھیلاتے رہتے تھے جن سے لوگوں میں بے چینی اور تشویش پیدا ہوتی تھی اور دشمنوں کو فائدہ پہنچتا تھا۔ قرآن کریم نے ان کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا: ''وَاِذَا جَاءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۰ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۰'' (سورۃ النساء: ۸۳) (جب بھی امن یا خوف (جنگ) کے بارے میں انہیں کوئی بات پہنچتی ہے، وہ اسے پھیلانے میں لگ جاتے ہیں، اگر وہ اسے (پھیلانے) کے بجائے پیغمبر تک اور ذمہ دار لوگوں تک پہنچاتے تو وہ لوگ اس کی حقیقت جان لیتے جو اس کی کھود کر (تحقیق) کر سکتے ہیں)۔

قرآن وسنت کے ان ارشادات سے اسلام کا جو مجموعی مزاج سامنے آتا ہے، وہ یہ ہے کہ جب تک کسی بات کی مناسب تحقیق نہ ہو جائے، اس وقت تک اسے دوسروں کے سامنے بیان کرنا یا پھیلانا جائز نہیں۔ اگر کوئی شخص اس قسم کی بے تحقیق بات کو پورے وثوق اور یقین سے بیان کرے تب تو ظاہر ہے کہ وہ خلافِ واقعہ اور غلط بیانی کے ذیل میں آتا ہے، لیکن اگر بالفرض وثوق کے ساتھ بیان کرنے کے بجائے ''لوگ کہتے ہیں'' جیسے فقرے کا پردہ اور آڑ لے کر بیان کرے، لیکن مقصد یہی ہے کہ سننے والے اسے سچ باور کر لیں، تب بھی مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں ایسا کرنا جائز نہیں۔

دراصل اسلام کا مقصد یہ ہے کہ ہر مسلمان معاشرے کا ایک ذمہ دار فرد بن کر زندگی گزارے۔ اس کے منہ سے جو بات نکلے، وہ کھری اور سچی بات ہو اور وہ اپنے کسی قول وفعل سے غیر ذمہ داری کا ثبوت نہ دے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ'' (سورۂ ق: ۱۸) (انسان جو بات بھی زبان سے نکالتا ہے، اسے محفوظ رکھنے کے لیے ایک نگہبان ہر وقت تیار ہے۔) مطلب یہ ہے کہ انسان یہ نہ سمجھے کہ جو بات وہ زبان سے نکال رہا ہے، وہ فضا میں تحلیل ہو کر ختم ہو جاتی ہے، بلکہ منہ سے نکلی ہوئی ہر بات کہیں ریکارڈ ہو رہی ہے، اور آخرت میں اس سارے ریکارڈ کا ہر شخص کو جواب دینا ہوگا۔

ان تمام تر اسلامی تعلیمات اور تاکیدات کے باوجود ہم اتنے بے قابو ہو چکے ہیں کہ ہمیں ذمہ داری کا ذرہ برابر

احساس ہی نہ رہا۔ اور ہماری حالت یہ ہوگئی ہے کہ کہیں سے بھی کوئی اُڑتی ہوئی بات ہاتھ آ گئی، اسے تحقیق کے بغیر دوسروں تک پھیلانے اور پہنچانے میں کوئی جھجھک محسوس نہیں کرتے، اور بے دھڑک ایک دوسرے کو اس طرح کی باتیں بھیج دیتے ہیں، جس کی وجہ سے فضا میں ہر وقت افواہوں کا ایک طوفان اور سیلاب برپا رہتا ہے۔

ابھی حال ہی میں سوشل میڈیا پر صحافیوں کی ایک فہرست جاری ہوئی اور واٹس اپ کے مختلف گروپوں میں نشر ہوتی رہی، بغیر ثبوت اور تحقیق کے ان صحافیوں کے متعلق اس میں کہا گیا تھا کہ: ''یہ سب قادیانی ہیں۔'' کئی حضرات سادگی میں اسے کارِ خیر سمجھ کر عام کرتے رہے، جبکہ ان ناموں میں کئی حضرات ایسے تھے جنہوں نے خود قادیانیت کے خلاف کام کیا ہے۔ اس سلسلے میں سیاسی اختلاف رکھنے والے کارکنوں کی حالت ناقابلِ بیان ہے۔ کچھ دن پہلے سوشل میڈیا کے ایک نیٹ ورک میں ایک عالم کے متعلق یہ کہا گیا کہ انہوں نے پینتالیس لاکھ کی لسی نوش فرمائی ہے، کئی لوگ اسے سچ مچ سمجھ کر تبرا کر رہے تھے۔ یوں تو ہر قسم کی خبر میں احتیاط اور ذمہ داری کی ضرورت ہے، لیکن جس چیز کے نتیجے میں کسی دوسرے پر کوئی الزام لگتا ہو، اس میں تو احتیاط کی ضرورت اور بھی زیادہ ہے، کیونکہ اس سے کسی دوسرے انسان کی عزت وآبرو کا مسئلہ وابستہ ہے۔ اور بلا تحقیق افواہوں کی بنیاد پر کسی انسان کی عزت کو مجروح کرنا صرف جھوٹ ہی نہیں، بہتان بھی ہے، اور حقوق العباد میں سے ہونے کی وجہ سے زیادہ خطرناک اور سنگین جرم ہے، لیکن ہمارے موجودہ ماحول میں کسی شخص پر کوئی الزام عائد کرنا ایک کھیل بن کر رہ گیا ہے، جس میں کسی تحقیق اور ذمہ داری کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔ بالخصوص اگر کسی شخص سے ذاتی، جماعتی یا سیاسی اختلاف ہو تو اس کی غیبت کرنا، اس پر بہتان باندھنا اور اسے طرح طرح سے بے آبرو کرنا بالکل جائز اور حلال سمجھ لیا گیا ہے۔

جھوٹ کی اس وبا نے غلط بیانی اور بہتان طرازی کی برائی دلوں سے نکال دی ہے، اور ہر غیر ذمہ دار شخص کو یہ حوصلہ ہوگیا ہے کہ وہ بے بنیاد سے بے بنیاد بات بے دھڑک معاشرے میں پھیلا دے۔ نیز اس صورت حال میں ایک انتہائی خطرناک بات یہ بھی ہے کہ غلط الزامات کے سیلاب میں حقیقی مجرموں کو فی الجملہ پناہ مل گئی ہے، یعنی جو لوگ واقعی خطا کار اور بدعنوان ہیں، انہیں بدنامی کا زیادہ خطرہ باقی نہیں، اس لیے وہ یہ سوچتے ہیں کہ اگر کوئی خبر ہماری بدعنوانی کے بارے میں اُڑی تو وہ اسی طرح مشکوک سمجھی جائے گی، جیسے اور بہت سی بے تحقیق باتوں کو سنجیدہ لوگ مشکوک سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں، چنانچہ بدعنوان افراد آرام سے بدعنوانیوں میں ملوث رہتے ہیں اور بہت سے بے گناہوں کے دامن پر داغ لگ جاتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہمارے معاشرے میں غیر ذمہ دارانہ باتیں بے حد پھیل گئی ہیں، لیکن مسئلہ اس صورت حال کی مذمت کرتے رہنے سے حل نہیں ہوسکتا، جب تک ہم میں سے ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر اسے تبدیل کرنے کا پختہ عزم نہ کرے۔ دوسروں پر نہ سہی، لیکن ہر شخص کو اپنے آپ پر مکمل اختیار حاصل ہے، جسے کام میں لائے بغیر یہ صورت حال تبدیل نہ ہوگی۔ (نوٹ: واضح رہے کہ اس مضمون میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی کتاب ذکر وفکر سے استفادہ کیا گیا ہے۔)

مساجد کی آبادی ہر مسلمان کی ذمہ داری

مولانا محمد عمر قاسمی کامار یڈی

اسلام کی تعلیمات ہمہ گیر اور ہدایات عالم گیر اور آفاقی ہیں، جس نے بندگان خدا کو خدائے وحدہ لاشریک لہ کی عبادت و بندگی اور اطاعت وفرماں برداری کا پابند کیا؛ اس لیے ایک بندہ مومن اپنے معبود حقیقی و مسجود اصلی کے سامنے اپنی عاجزی و بے بسی کا ثبوت پیش کرتے ہوئے سر تسلیم خم کرتا ہے، جو کہ درحقیقت ایک گم شدہ بندے کے اپنے آقا کے دربار میں حاضری کا سبق ہے اور اس حقیقت کی خوب صورت ترجمان اور بہترین شکل نماز ہے، "نماز" اسلام کا مہتم بالشان رکن اور بنیادی ستون ہے، جو ایمان وکفر کے مابین حد فاصل اور خط امتیاز ہے، جس کی ادائیگی ہر صاحب عقل، بالغ مسلمان پر فرض و لازم ہے اور اس کی ادائیگی کے لیے شریعت مطہرہ نے ایک مخصوص ومقدس مقام بنایا ہے، اور وہ مقدس و پاکیزہ جگہ شریعت کی اصطلاح میں "مسجد" کہلاتی ہے۔

مسجد درحقیقت پروردگار عالم کا بابرکت گھر اور پرعظمت دربار ہے، خیر وبرکت کا منبع اور نور وہدایت کا سرچشمہ ہے، عبادت و بندگی کا مظہر اور اسلام کی نشر واشاعت کا مرکز ہے، امن وسلامتی کا گہوارہ اور رحمت و برکت کی منزل ہے اور ملائکہ کا مسکن اور اسلام کی عظیم درس گاہ ہے؛ یہی وجہ ہے کہ مسجد ہر علاقے اور ہر بستی کی وہ بنیادی ضرورت ہے جس کے بغیر کوئی چارہ نہیں اور اس کا کوئی نعم البدل بھی نہیں، اس کا ادب واحترام ہر صاحب ایمان پر لازم وواجب ہے؛ کیوں کہ اس کی حیثیت اور مقام دیگر جگہوں سے بلند وبالاتر ہے۔

مساجد کی فضیلت: مسجد خانہ خدا اور خیر البقاع (دنیا کی بہترین جگہ) ہے، کتاب وسنت میں بیشتر مقامات پر اس کی فضیلت وعظمت وارد ہوئی ہیں: چناں چہ مسجد اللہ کا گھر ہے، مسجد آسمان والوں کو ایسے ہی چمکتے اور روشن نظر آتی ہے، جس طرح زمین والوں کو آسمان کے ستارے چمکتے نظر آتے ہیں۔ (مجمع الزوائد:1934)

خطۂ ارض پر عنداللہ محبوب ترین جگہیں "مساجد" ہیں؛ جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ "(مساجد) جنت کے باغ ہیں، اللہ تعالیٰ کی نظر میں روئے زمین پر سب سے بہترین جگہیں مسجدیں ہیں اور سب سے بدترین جگہیں بازار ہیں"۔ (مسلم، باب فضل الجلوس فی مصلاہ:671)

صرف یہی نہیں؛ بلکہ مسجد امن وسلامتی کا گہوارہ ہے، ہر مؤمن متقی کا گھر ہے؛ نیز جماعت کی نماز منفرد کی نماز سے درجہ ثواب زیادہ رکھتی ہے۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ:1052) لہٰذا ہر صاحب ایمان شخص کو چاہیے کہ پنج وقتہ فرض نمازوں کا اہتمام کرے اور ان کی ادائیگی کے لیے مسجدوں کا رخ کرے۔

مساجد کی آبادی اور حاضری کی فضیلت: کتنا خوش نصیب اور نیک بخت ہے وہ مسلمان جس کو باری تعالیٰ نے نماز

کی ادائیگی اور مسجد میں حاضری کی توفیق ارزانی فرمائی ہے، یہ صرف فضیلت ہی نہیں، بلکہ بہت بڑی سعادت بھی ہے؛ اس لیے کہ حدیث مبارکہ میں ہے: اللہ تعالیٰ مسجد میں آنے والے بندے سے اس طرح خوش ہوتے ہیں، جس طرح گم شدہ آدمی کے ملنے سے گھر والے خوش ہوتے ہیں۔ نیز یہ کہ مسجد میں آنے والے کی اللہ رب العزت والجلال خود میز بانی اور مہمان نوازی کرتے ہیں؛ گویا مسجد میں آنے والا اللہ کا مہمان بن جاتا ہے۔ (بخاری، باب فضل من غدا الی المسجد: 631)

مسجد میں پیہم حاضری اور آمد ورفت کمال ایمان کی نشانی اور متقی شخص کی علامت ہے: اللہ تعالیٰ اس (مسجد میں آنے والے) بندے سے محبت فرماتے ہیں اور ملائکہ اس کے معاون ومددگار بن جاتے ہیں۔ (مسند احمد: 4914) نیز اکثر وقت مسجد میں گزارنے والے بندہ کو بشارت دیتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صبح وشام مسجد میں حاضر ہونے والا گناہوں اور خطاؤں سے اس طرح منزہ ومبرہ ہوجاتا ہے، جس طرح اس وقت تھا جب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ (مسلم: 666)

مسجد میں آنے والا کبھی خیر سے محروم نہیں رہتا؛ کیوں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مسجد میں بیٹھنے والا تین فائدوں میں سے ایک فائدہ ضرور حاصل کرتا ہے۔ کسی بھائی سے کوئی دینی فائدہ ہوجاتا ہے۔ یا کوئی حکمت کی بات سننے کو ملتی ہے۔ یا اللہ کی رحمت مل جاتی ہے، جس کا ہر مسلمان منتظر رہتا ہے۔ (مسند احمد: 4914)

بہ ہر حال مسجد میں بیٹھنے والا وقت بھی قیمتی ہوجاتا ہے اور آدمی کسی نہ کسی خیر سے مالا مال ہوجاتا ہے؛ لیکن مساجد کی آبادی بھی خدائے بزرگ وبرتر کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اللہ کی مسجدوں کو وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں اور نمازوں کے پابند ہوں اور زکاۃ دیتے ہوں اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے ہوں، توقع ہے کہ یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ (سورۃ التوبہ: 18)

مساجد کی آبادی کی ترغیب دیتے ہوئے محبوب جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم جنت کے باغوں سے گزرو تو خوب چرو، سوال کیا گیا کہ: جنت کے باغ کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مساجد۔ (سنن الترمذی، ابواب الدعوات: 2/191) مختصر یہ کہ ہر فرد مؤمن کو اس بات کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہنا چاہئے کہ وہ ان سب فضائل وبرکات سے مستفید ہو۔

مسجد سے بے التفاتی وبے توجہی کا نقصان: مسجد میں بکثرت آمد ورفت کمال ایمان کی نشانی ہے اور نہ آنا نفاق کی علامت ہے؛ یہی وجہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے، جو کہ کائنات میں سب سے بڑھ کر رحیم وبردبار ہیں، مسجد میں نہ آنے والوں کے بارے میں یہ ارادہ فرماتے ہیں کہ ان کے گھروں کو جلا دوں۔ (بخاری: کتاب الجماعۃ والامامۃ: 618) ذرا اندازہ لگائیے کہ کتنی بڑی بات ہوگی اور کیا عظمت ہوگی مسجد کی کہ جس میں نماز باجماعت کی کوتاہی پر اس قدر ناراضگی کا اظہار فرما رہے ہیں، پس مسجد میں حاضری کی اہمیت کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

لیکن یہ بات بھی مہتاب نیم شب کی طرح عیاں ہے کہ ابتدائے آفرینش سے ہی حق و باطل کا تصادم اور ٹکراؤ جاری رہا ہے کہ ہر زمانے میں دشمنان اسلام، اسلام کے خلاف سازشیں کرتے رہتے ہیں، کبھی تو احکام شریعت میں ترمیم اور تبدیلی کر کے، تو کبھی شعائر اسلام کا استہزا اور مذاق بنا کر، کبھی تو اذانوں پر پابندیاں لگا کر، کبھی مسجدوں کی بے حرمتی و تقدس کی پامالی کر کے؛ لیکن یاد رکھیں کہ یہ سب ہمارے شامت اعمال اور دین سے دوری کا نتیجہ اور اثر ہے، پس ہمارے ملک میں سب سے پہلے بابری مسجد کو ہدف بنایا گیا اور ناجائز قبضہ کر کے اس کو مندر میں تبدیل کیا گیا، اسی کی ترجمانی کرتے ہوئے اویس زمانہ قاری سید صدیق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح کہا تھا #

وہ میر باقی کی تھی جو مسجد جو عہد بابر کی تھی نشانی
خدا کا گھر وہ گرا کے ظالم یہ کیسا مندر بنا رہے ہیں؟

لیکن پھر بھی جب تک ظالم کی آتش ظلم ٹھنڈی نہ ہو جائے تو وہ کچھ نہ کچھ شر انگیزی ضرور کرتا رہتا ہے، ابھی سال دو سال قبل شہر حیدرآباد میں بھی دو مسجدوں کی بے حرمتی کی گئی اور ان کو مسمار کر دیا گیا، اس طرح کے اور بھی واقعات رونما ہوئے ہیں، یہ سب ہماری شامت اعمال کا نتیجہ اور قرب قیامت کا قرینہ ہے، ہم سے صرف بابری مسجد ہی نہیں چھینی گئی؛ بلکہ بابری مسجد تو ہدف اور نشانہ ہے، اس کے علاوہ دلی کی جامع مسجد، حیدرآباد کی مکہ مسجد وغیرہ بھی نشانے پر ہے، وقفہ وقفہ سے دشمن ہماری رگ غیرت وحمیت کو بھڑکاتے رہتے ہیں، یکے بعد دیگرے مسجدوں پر ناپاک حملے کیے جاتے ہیں، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہم تو بس نام کے مسلمان رہ گئے ہیں، خود مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے۔

ہمارا طرز عمل تو محض رمضانی مسلمان ہونے کا واضح ثبوت پیش کرتا ہے، جیسے ہی رمضان آجائے، تو مسجدیں آمد و رفت شروع ہو جاتی ہے، قرآن کی تلاوت کا خوش گوار ماحول پیدا ہو جاتا ہے، روزوں کے اہتمام کی خوش بودار فضا چلنے لگتی ہے، تسبیحات کی پابندی کے دلچسپ مناظر نظر آتے ہیں، غریبوں کی امداد، مسکینوں کی دادرسی، بیماروں کی مزاج پرسی؛ بلکہ ہر اعتبار سے انسانیت نوازی اور خدمت خلق جیسی نمایاں صفات کا ظہور ہوتا ہے، خیر خواہی کے جذبات ابھرنے لگتے ہیں، ہم دردی کے حوصلے پروان چڑھنے لگتے ہیں۔

لیکن پھر جوں ہی ہلال عید نظر آجائے، تو دفعۃً ماحول بدل جاتا ہے، مزاج میں تبدیلی آجاتی ہے، بہار کے بجائے خزاں جیسا ماحول پیدا ہو جاتا ہے اور در پردہ چھپے ہوئے سب شرور و فتن عود کر آجاتے ہیں، مسجدوں سے بیگانگی و بے التفاتی، نمازوں کی غفلت و لاپرواہی کا ایسا منظر ہوتا ہے جو نا قابل بیان ہے؛ شاعر مشرق علامہ اقبال نے امت کی اسی زبوں حالی کا رونا رویا ہے #

مسجد تو بنا دی شب بھر میں، ایماں کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے، برسوں میں نمازی بن نہ سکا

اب بھی وقت ہے سدھر جانے کا، مزاجوں کو بدلنے کا، عادات کا رخ موڑنے کا تو اس سلسلے میں سب سے پہلے ہمیں ان حالات میں ہوش کے ناخن لینے کی ضرورت ہے، اولاً تو ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم خاموش رہنے کے بجائے جائز اور جمہوری حدود میں رہتے ہوئے، اس کے خلاف آواز بلند کریں، ثانیاً ہمیں خود اپنے طور پر مسجدوں کو آباد کرنے کی فکر کرنی چاہیے؛ اس لیے کہ جب تک ہماری مسجدیں آباد اور نمازیوں سے پر ہوں گی تو کسی میں بھی اتنی جرات وہمت نہیں کہ وہ اس کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھ سکے اور اس کے خلاف اپنے ذہن کو دوڑا سکے، لیکن ہمارا حال تو یہ ہو گیا ہے کہ مسجدوں کی کوئی فکر ہے، نہ نمازوں کا شوق اور جب مسجدوں پر حملے اور انگشت نمائی ہوتی ہے اور اس کی بے حرمتی کی جاتی ہیں، تو تب کفِ افسوس ملنے کے سوا کچھ باقی نہیں رہ جاتا، پھر ہائے ہائے کرنا کچھ نفع بخش اور سود مند نہیں ہوتا۔

اس لیے ہماری اولین ذمہ داری ہے کہ ہم خود محلہ واری سطح پر مسجدوں کو آباد کرنے کی فکر کریں، آپسی اختلافات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے مسلمان بھائیوں سے ترغیب اور تشویق کی باتیں کر کے، انہیں مسجد کا پابند بنائیں، جس طرح مسجد کی تعمیر اور آبادکاری باعث سعادت اور اجر وثواب کا موجب ہے، بس یوں ہی اس کے برخلاف مسجد ڈھانا اور تخریب کاری و ویرانی کے اسباب وذرائع کو پیدا کرنا بدبختی وحرماں نصیبی ہے، جو سنگین گناہ اور ظلم عظیم ہے؛ جیسا کہ قرآن کریم میں آیا ہے: ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللهِ أَن يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَى فِي خَرَابِهَا﴾

خلاصہ تحریر: مختصر یہ کہ ہم قرآنی پیغام: ﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللهِ مَنْ آمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ کا عامل بنتے ہوئے اپنے مؤمن کامل ہونے کا ثبوت دیں اور مساجد کی حفاظت کا سب سے بہترین طریقہ یہی ہے کہ اس کی آبادی کی کوشش کی جائے، اس کے بے شمار فوائد وثمرات ہیں، ہر شخص کو شعوری طور پر یہ کوشش کرنا چاہیے کہ وہ جس علاقے میں رہتا ہے، اگر وہاں مسجد نہ ہو تو مسجد کی تعمیر کی فکر کریں اور اگر ہو تو اس کی آبادی کی کوشش کرے، اسی طرح ہر نمازی کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی انفرادی واجتماعی دعاؤں میں مسجد کی آبادی اور علاقے کے لوگوں کے لیے دعا کریں کہ پروردگار عالم ہر مسلمان کو پکا نمازی اور سچا دین دار بنائیں اور مساجد کے آئمہ وموذنین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے آپ کو اذان ونماز تک محدود رکھنے کے بجائے مسجد کی آبادی کی بھی کوشش کریں، اپنے آپ کو اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہ سمجھیں؛ بلکہ یہ بھی ان کے فریضہ میں داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عمل نصیب فرمائے: ﴿رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دعاءِ﴾ آمین، بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

خود احتسابی اور محاسبۂ نفس

مولانا عبدالصبور شاکر

کہتے ہیں: کسی میوزیم میں ایک قدِ آدم تصویر آویزاں تھی، یہ تصویر جھیل کی تھی، جس پر پُل بنا ہوا تھا۔ دیکھنے والے آتے، دیکھتے، پھر اس کی خوب صورتی اور حقیقت سے قریب تر ہونے کی داد دیتے۔ بعض لوگ اس جھیل کو حقیقی سمجھ کر پار کرنے کی کوشش بھی کرتے، لیکن بالکل قریب آنے پر اُنہیں احساس ہوتا کہ یہ حقیقی جھیل نہیں، بلکہ تصویر ہے۔

کسی نے یہ بات اس تصویر کے مصور تک پہنچادی۔ مصور اُداس ہوگیا، کہنے لگا: افسوس! میری تصویر حقیقت سے زیادہ قریب نہیں ہے، یہ تصویر ایسی ہونی چاہیے تھی کہ جب تک کوئی اسے چھو نہ لے اُسے یقین نہ آئے کہ یہ تصویر ہے یا حقیقت! اُس نے تصویر کو ازسرِ نو بنایا، دن رات محنت کی اور کئی ماہ کی عرق ریزی کے بعد ایسی تصویر تیار کرلی کہ جب تک اسے چُھوا نہ جاتا، کوئی یقین نہ کرتا کہ یہ حقیقت ہے یا تصویر! مصور کے اپنی غلطی کے احتساب والے اس نظریئے کو خود احتسابی یا Self-accountability Censorship کہتے ہیں۔ یہ ایک بہت مبارک عمل ہے۔

حکیم لقمانؒ سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے حکمت و دانائی کہاں سے سیکھی؟ کہنے لگے: ''نادانوں سے کہ جب وہ کوئی نادانی والا عمل کرتے، میں فوراً اپنا محاسبہ کرتا کہ کہیں مجھ میں تو یہ عمل نہیں پایا جاتا؟ اگر میرے اندر وہ عادت ہوتی تو میں فوراً اُسے چھوڑ دیتا۔''

خود احتسابی، محاسبہ یا سیلف ٹرائل کی عادت انسان کو بہت فائدہ دیتی ہے۔ یہ کامیابی کا پہلا زینہ ہے۔ اس کے ذریعے سے ہم اپنے اندر پیدا ہونے والے مثبت یا منفی رجحانات کا پتا لگا سکتے ہیں، اپنی خوبیوں اور خامیوں پر نگاہ رکھ سکتے ہیں، اپنے اخلاق و کردار کو سنوار سکتے ہیں، لاپروائی کی عادت سے جان چھڑا سکتے ہیں، کیوں کہ بہت سے معاشرتی، معاشی، سماجی، انفرادی اور اجتماعی مسائل کی جڑ لاپروائی ہی ہے۔

خود احتسابی سے محروم شخص ترقی کی منازل طے نہیں کرسکتا، کیوں کہ اسے اپنی کمی کوتاہیوں کا علم نہیں ہوتا، جس کی وجہ سے ان کی اصلاح نہیں ہوسکتی اور وہ سابقہ غلطیوں سے سبق نہیں سیکھ سکتا۔

خود احتسابی دنیا کا مشکل ترین کام ہے، کیوں کہ یہ انسان کو اُس کی حقیقی اور سچی تصویر دکھاتا ہے، اسے اس کے بھیانک روپ سے متعارف کراتا ہے اور اس کی سستی و کاہلی، تن آسانی و آرام طلبی اور تغافل و تساہل کو توڑ دیتا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص اپنے اہداف و مقاصد اور منزل و راہِ عمل متعین کرکے خود احتسابی کرتا ہے، کامیابیاں اس کے قدم چومتیں اور رفعتیں اس کا پتا ڈھونڈتی ہیں۔

ہمارا مذہب اسلام ہمیں خود احتسابی کا درس دیتا ہے۔اس کے بنیادی عقائد میں سے ایک عقیدۂ آخرت بھی ہے، جس کا دوسرا نام ہم خود احتسابی کا عقیدہ بھی رکھ سکتے ہیں۔اس عقیدے کا ماحصل یہ ہے کہ ہم اپنے اعمال پر نظر رکھیں، گاہے بہ گاہے ان کا محاسبہ کریں اور دیکھیں کہ کہیں ہم اپنے خالق کی مرضی کے خلاف تو نہیں چل رہے؟ اگر ایسا ہے تو ہمیں فوراً توبہ کر کے اس کی طرف رجوع کرنا ہوگا، ورنہ آخرت میں ایک ایک عمل کا حساب دینا پڑے گا۔

چنانچہ حدیث مبارکہ میں ہے: ''عقل مند وہ آدمی ہے جو اپنے نفس کا خیال رکھے۔'' امام ترمذیؒ نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ: ''جو شخص قیامت سے پہلے پہلے اپنے نفس کا محاسبہ کر لے (وہ عقل مند انسان ہے)۔''

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''حساب لیے جانے سے پہلے پہلے اپنا حساب کر لو، کیوں کہ جس شخص نے دنیا میں اپنا محاسبہ کر لیا، روزِ قیامت اس کا حساب آسان لیا جائے گا۔''

حضرت میمون بن مہران رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''بندہ اس وقت تک پرہیز گار نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے نفس کا محاسبہ اُس طرح نہ کر لے جس طرح اپنے شریک کا کرتا ہے کہ اس نے کہاں سے کھایا اور کہاں سے پہنا؟''۔

محاسبہ اور خود احتسابی محض شرعی اعمال میں ہی مطلوب نہیں، بلکہ دیگر امور میں بھی مطلوب ہے، یعنی اخلاق و کردار، کاروبار و حکومت، تقریر و تحریر، حقوق و فرائض، دوستی و دشمنی، محبت و نفرت، مرض و شفاء، نیکی اور بدی، غرض ہر امر میں محاسبۂ نفس ضروری ہے، کیوں کہ یہی چیز ترقی کی ضامن اور اس سے محرومی تنزلی کا باعث بنتی ہے۔کسی مفکر کا قول ہے کہ: ''سب سے عظیم انسان وہ ہے جو اپنے آپ کے ساتھ مناظرہ کر کے سچا ہو جائے۔''

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سُراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

****

دل کا سکون کیسے حاصل کریں؟

مولانا محمد یعقوب خاص خیلی

''خبردار! (سن لو) انسان کے جسم میں ایک لوتھڑا ہے، اگر وہ درست ہے تو سارا جسم ٹھیک ہے، اگر وہ خراب ہے تو پورا بدن ناکارہ ہے۔ خبردار، سن لو! وہ دل ہے۔'' انسان کے جسم میں دل کا کردار بہت عظیم ہے۔ قلب، انسانی بدن میں تمام اعضا کا سردار ہے، جسم کے تمام اعضا کا دارومدار اسی پر ہے، اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو دل کے بارے میں ہدایات دیں۔

یہ دل کیا ہے؟ یہ پٹھوں کے مجموعے پر مشتمل ایک ایسا عضو ہے جو انسانی بدن کو مسلسل خون پہنچاتا ہے۔ یہ انسانی تن میں موجود خون کے نظامِ گردش کے درمیان واقع ہے۔ یہ پورا نظام، خون کی رگوں کے ایک جال پر مشتمل ہے۔ خون، دل سے پورے انسانی بدن کے مختلف حصوں سے ہوتا ہوا پھر واپس دل کی طرف لوٹتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دل کا نظام ایسا رکھا ہے کہ اس میں غور کرتے ہوئے انسان کی عقل حیران رہ جاتی ہے۔ تحقیق کے مطابق دل، ایک دن میں ایک لاکھ مرتبہ سکڑتا اور پھیلتا ہے۔ دل، ہر منٹ میں تقریباً پانچ یا چھ ہزار کوارٹر گیلن خون انسانی بدن کے مختلف اعضا تک پہنچاتا ہے۔

انسان کے جسم میں یہ واحد عضو ہے جس کی حرکت پر انسانی زندگی کی بقا ہے۔ اس کا حجم انسانی مٹھی جتنا ہے، جسے انسان آسانی سے اپنے ہاتھ میں تھام سکتا ہے۔ یہ دل ہی ہے اگر اس کی حفاظت نہ کی جائے تو ظاہری و باطنی امراض میں مبتلا ہوسکتا ہے۔ ظاہری مرض تب ہوتا ہے، جب دل کی نالی تنگ ہوجاتی ہے، جس کے سبب خون کا بہاؤ کم ہوجاتا ہے، نتیجے کے طور پر سینے میں درد شروع ہوجاتا ہے اور سانس مشکل سے آنے لگتا ہے۔ اس کے نتیجے میں دل کا دورہ پڑ جاتا ہے، جسے انگریزی میں Heart Attack کہتے ہیں۔ صرف امریکا میں سالانہ ایک ملین افراد اس مرض کا شکار ہوتے ہیں۔ ظاہری مرض کا علاج ڈاکٹر اور حکیم کرتے ہیں، جن پر انسان ہزاروں روپے پانی کی طرح بہا دیتے ہیں۔

دل کے باطنی امراض بھی بہت ہیں، جن میں اکثر انسان مبتلا ہیں، جن کا احساس بھی انسان کو کم ہی ہوتا ہے، جیسے: کینہ، بغض، عداوت، دشمنی، حسد اور تکبر ہے۔ یہ ایسے امراض ہیں جو بغیر توبہ اور اصلاح کے ختم نہیں ہوتے۔ حدیث مبارک سے بھی یہی مراد ہے۔ اس کا علاج بہت ضروری ہے۔ پوری دنیا ان امراض میں مبتلا ہے۔

آج پوری دنیا سکون و راحت کی تلاش میں ماری ماری پھر رہی ہے، آرام و سکون کیسے حاصل ہوگا؟ جبکہ ہم نے اپنے دل کو بغض، عداوت، حسد، کینہ اور تکبر جیسے گناہ سے جو بھر رکھا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''**إیاکم و الحسد فإن الحسد یأکل الحسنات کما تأکل النار الحطب**''۔ ''اپنے آپ کو حسد سے بچاؤ! اس لیے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا

ہے جس طرح آگ خشک لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔''

یہ حسد ہے جو تمام نیکیوں کو برباد کر دیتا ہے، ساری محنت پر پانی پھیر دیتا ہے، جیسا کہ ایک بزرگ نے خوب کہا ہے کہ سب سے پہلی چیز کبر ہے، اس لیے کہ شیطان تکبر کی وجہ سے برائی اور نافرمانی میں مبتلا ہوا۔ دوسری چیز آدمی کا لالچ ہے، کیونکہ حواء نے لالچ کی وجہ سے پھل کھایا اور جنت سے نکالی گئیں۔ تیسری چیز آدمی کا حسد ہے، کیونکہ دنیا میں سب سے پہلا خون حسد کی وجہ سے ہوا۔ قابیل نے ہابیل سے حسد کیا کہ اس کو وہ چیز کیوں مل رہی ہے جو مجھے نہیں مل رہی، اس نے چاہا کہ یہ اس کو نہ ملے، اسی بات نے اُسے پہلے خون پر آمادہ کیا

یہ حسد بنیادی چیز ہے جو بہت سارے برے اعمال، اخلاقی برائیوں اور انسانوں کے ساتھ تعلقات میں اپنا کردار ادا کرتی ہے تو ان سب سے ہمیں بچنا چاہیے۔ دل تو ابتدا ہی سے بالکل خالی پیالے کی طرح تھا، ہم نے خود اس میں لذات کا اضافہ کیا ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کی جگہ ہی نہیں رکھی۔ دل کا سکون حاصل کرنے کے لیے ایک ملک سے دوسرے ملک سیر وتفریح کی غرض سے سفر کرتے ہیں۔

آج کا مسلمان، بیہودہ فلموں اور حیا باختہ گانوں میں اپنا سکون تلاش کرتا ہے، اسی کو اپنا مقصدِ حیات بنایا ہوا ہے، حالانکہ اس میں سکون رکھا ہی نہیں۔ سکون اور اطمینان قلب وہاں ڈھونڈنا چاہیے جہاں اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: ''أَلَا بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ''۔ (الرعد:۲۸) ''خبردار! (سن لو) اللہ کے ذکر ہی سے دل سکون واطمینان پاتے ہیں''۔

آپ دنیا کا جائزہ لیجیے! خدا کی ذات کو یاد کرنے والے لوگ کتنے آرام وچین کی زندگی پاتے ہیں، ان کو کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوتی۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر اور عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔ سکون واطمینان اللہ کے گھر اور وہاں ہوتا ہے جہاں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات کی جاتی ہے۔

اولیاء اللہ کی صحبت میں جا کر اپنی اصلاح کروایئے! تاکہ دل ان مہلک امراض سے خالی ہو جائے۔ یہی ان مہلک امراض باطنی کے ماہر ہیں جو خانقاہوں میں بیٹھے اللہ کے ذکر سے لوگوں کے دلوں کو روشن کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو اپنے ذکر سے منور فرمائے۔ آمین

احوال کائنات وعمر کائنات

مولانا ثمیر الدین قاسمی

اہل سائنس کا نظریہ یہ ہے کہ اس کائنات میں بہت پہلے گیس تھی اس وقت اس کا حجم بہت کم تھا، یہ گیس آپس میں بالکل ملی ہوئی تھی اس وقت یہ گیس کھربوں سینٹی گریڈ سے زیادہ وہ گیس گرم تھی، ایک اندازے کے مطابق یہ 000,000,000,000,000,10 (دس پدم) سینٹی گریڈ سے زیادہ وہ گیس گرم تھی، آج سے تقریباً 000,000,000,15 (پندرہ ارب) سال قبل کسی زبردست دھماکے کی بناپر (حقیقت میں حکم خداوندی کی بناپر) وہ پھٹ پڑی جس کو اہل سائنس ''Bighang'' کہتے ہیں۔ بیگ ہینگ کے بعد اس میں 75 فیصد ہائیڈروجن گیس اور ۲۵ فیصد ہیلم گیس پیدا ہوئی، اس میں بھی زبردست ہیجان پیدا ہوا اور چکر کھانا شروع ہوا، اسی ہیجان اور چکر کھانے کے نتیجے میں یہ کائنات وسیع ہونی شروع ہوئی اور ابھی تک وسیع ہوتی جارہی ہے، اگر سائنس کا یہ نظریہ صحیح ہے تو اس کی تائید کے لئے یہ آیت پڑھیں، ''والسماء بنینٰھا بایدو انّالموسعون'' (سورۃ الذاریات ۵۱ آیت ۴۷) ترجمہ: اور آسمان کو میں نے اپنی قدرت سے بنایا اور میں اس کو وسیع کرتا جارہا ہوں۔ (نوٹ) اس کی تفسیر اور بھی ہے۔ بیگ ہینگ کے 000,000,000,3 (تین ارب) سال کے بعد Super Clusters مجموعہ کہکشاں کی جھرمٹ بننی شروع ہوئی جس میں لاکھوں کہکشاں کی جھرمٹیں تھیں۔ سینکڑوں کہکشاں کے مجموعے کو ''جھرمٹ کہکشاں'' Clusters کہتے ہیں اور سینکڑوں جھرمٹ کہکشاں کے مجموعے کو Superclustetr مجموعہ جھرمٹ کہکشاں کہتے ہیں۔ ایک کہکشاں کے بھی بہت سے بازو Arms ہوتے ہیں اور ہر بازو کو Milky Way Galaxy کہکشاں کا بازو کہتے ہیں اور ہر بازو Galaxy Milkway Galaxy میں کروڑوں بڑے بڑے ستارے Stars ہوتے ہیں۔ ہماری کہکشاں کے ہمارے بازو میں 5,000,000,000 Milky Way Galaxy (پانچ کھرب) ستارے Stars ہیں اور ان ستاروں کے گرد گھومنے والے کڑوڑوں سیارے Planets اور چاند Moon ان کے علاوہ ہیں۔ اس تفصیل کے سمجھنے کے بعد عرض یہ ہے کہ بیگ ہینگ کے زبردست دھماکے کے 000,000,000,5 (پانچ ارب) سال کے بعد کو Milky Way Galaxy یعنی کہکشاں کا بازو بننا شروع ہوا اور زبردست دھماکے کے 000,000,000,10 (دس ارب) سال کے بعد بازو میں سے ستارے بننے شروع ہوئے اور اس میں سے ہمارا سورج اور خاندان سورج Systems Systems بننا شروع ہوا، اس وقت گیس ٹھنڈی ہوکر فضا میں کچھ حصہ کچرا Dust اور برف بن چکی تھی اور کچھ گیس باقی تھی اس لئے دیگر سیارے اور سولر سسٹم بننے میں یہ تینوں چیزیں جمع ہوئیں، بقیہ گیس بھی ٹھنڈی ہوہوکر پتھر، نیکل اور مٹی کی شکل اختیار کرتی رہی اور جمع ہوہوکر کہکشاں میں بڑے بڑے ستارے اور سیارے تعمیر ہوتے رہے اور کھربوں ستارے اور سیارے بحکم خداوندی اپنے اپنے مدار میں محوگردش ہوگئے۔ Milky way galaxy

فقہ وفتاوی

ادارہ

جمعہ مبارک کے ایس ایم ایس یا واٹس ایپ کرنا

سوال..... ہر جمعہ کو جمعہ مبارک کے ایس ایم ایس یا واٹس ایپ لوگوں کو کرنا کیسا عمل ہے؟

جواب..... جمعہ کی مبارک باد کا مطلب جمعہ کے بابرکت ہونے کی دعا دینا ہے، اور برکت والے دن برکت کی دعا دینے میں بذاتِ خود حرج نہیں ہے، البتہ اس طرح مبارک باد دینے کا التزام واہتمام کرنا ٹھیک نہیں ہے، اور نہ ہی شرعی طور پر ان کاموں کا حکم دیا گیا ہے، ان چیزوں میں وقت صرف کرنے کی بجائے جو اعمال اس دن ثابت ہیں ان کا اہتمام کرنا چاہیے۔

عیدی مانگنا

سوال..... عید کے دنوں میں جس کو دیکھو عیدی لینے پر تلا ہوا ہوتا ہے، خیر بچوں کا تو کیا کہنا، گوشت والے کو دیکھو، سبزی والے کو دیکھو۔ اس طرح لوگ جو عیدیں لیتے ہیں وہ حرام ہے یا اس کی کوئی شرعی حیثیت بھی ہے؟

جواب..... عیدی مانگنا تو جائز نہیں، البتہ خوشی سے بچوں کو، ماتحتوں کو، ملازموں کو ہدیہ دے دیا جائے تو بہت اچھا ہے، مگر اس کو لازم اور ضروری نہ سمجھا جائے، نہ اس کو سنت تصوّر کیا جائے۔

سالگرہ منانا

سوال..... بڑے گھرانوں اور عموماً متوسط گھرانوں میں بھی بچوں کی سالگرہ منائی جاتی ہے، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا یہ جائز ہے؟ رشتہ داروں اور دوست احباب کو مدعو کرلیا جاتا ہے جو اپنے ساتھ بچے کے لئے تحفے تحائف لے کر آتے ہیں، خواتین وحضرات بلاتمیز محرَم وغیر محرَم کے ایک ہی ہال میں کرسیوں پر براجمان ہوجاتے ہیں، یا ایک بڑی میز کے گرد کھڑے ہوجاتے ہیں، بچہ ایک بڑا سا کیک کاٹتا ہے اور پھر تالیوں کی گونج میں ''سالگرہ مبارک ہو'' کی آوازیں آتی ہیں، اور تحفے تحائف کے ساتھ ساتھ پُرتکلف چائے اور دیگر لوازمات کا دور چلتا ہے۔

جواب..... سالگرہ منانے کی رسم انگریزوں کی جاری کی ہوئی ہے، اور جو صورت آپ نے لکھی ہے وہ بہت سے ناجائز اُمور کا مجموعہ ہے۔ اس طرح کے پروگراموں میں شرکت نہیں کرنی چاہئے۔

سوال..... اگر سالگرہ میں جانا مناسب نہیں ہے تو صرف سالگرہ کا تحفہ اس دعوت کے بعد یا پہلے دے دینا کیسا ہے؟ کیونکہ لوگ پھر یہ کہیں گے کہ تحفہ نہ دینا پڑے اس لئے نہ آئے، حالانکہ اسلام تو خود اجازت دیتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ

وسلم کا ارشاد بھی ہے کہ ایک دُوسرے کو تحائف دیا کرو اس سے محبت بڑھتی ہے۔

جواب.....تحفہ دینا اچھی بات ہے، لیکن سالگرہ کی بنا پر دینا بدعت ہے۔

سوال.....کالج میں عموماً سالگرہ کی مبارک باد دینے کے لئے سالگرہ کے کارڈز دیئے جاتے ہیں، کیا وہ دینا دُرست ہے؟ ایک صاحب کا کہنا ہے کہ دُرست ہے کیونکہ یہ ایک دُوسرے کی خوشیوں میں شرکت کا اظہار ہے۔

جواب.....یہ بھی اسی فضول رسم کی شاخ ہے، جب سالگرہ کی خوشی بے معنی ہے، تو اس میں شرکت بھی بے معنی ہے۔

مسجد میں کنگھی کرنا

سوال.....کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسجد کے اندر ڈاڑھی میں کنگھی کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ کیوں کہ بال مسجد میں گرتے ہیں۔

جواب.....واضح رہے کہ حدیث میں مسجد کو صاف ستھرا رکھنے کی تاکید وارد ہوئی ہے، چناں چہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد تعمیر کرنے، اس کو صاف رکھنے اور خوشبو لگانے کا حکم دیا ہے (ابوداؤد)، مسجد میں کنگھی کرنے سے بال وغیرہ جھڑتے ہیں جس سے مسجد کی تلویث ہوتی ہے، اس لیے مسجد میں کنگھی کرنا مناسب نہیں، البتہ ضرورت کے وقت کوئی کپڑا وغیرہ بچھا کر ایسا کرے اور بال وغیرہ جو کچھ گرے اس کو باہر پھینک دے، تو پھر کوئی حرج نہیں۔

خوشی کے موقعہ پر پھولوں اور پیسوں کا ہار پہنانا

سوال.....یہ جو مروج ہے کہ شادی اور خوشی کے موقع پر ہار پہنائے جاتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ ہار سے مراد ہر قسم کا ہار ہے، خواہ وہ پیسوں کا ہو، یا پھولوں کا، یا اسی طرح جوتیلوں کا ہار ہوتا ہے۔ راہ نمائی فرمائیں۔

جواب.....شادی یا دیگر خوشیوں کے موقعوں پر ہار پہننے اور پہنانے سے بوجوہ ذیل اجتناب ضروری ہے: ہار پہننا عورتوں کے ساتھ خاص ہے، کیوں کہ ہار پہننے میں گلے کی زیب وزینت ہے، جو عورتوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس میں محض ریا ونمود ہے۔ اس میں اسراف ہے۔ یہ ہندوانہ رسم ہے، ہندو اپنی خوشی کے موقعوں پر گلے میں ہار ڈالتے ہیں۔ نوٹوں کے ہار میں تصویریں ہوتی ہیں، جن کا بلاضرورت استعمال بالکل حرام ہے اور اسی طرح پھولوں کا ہار سلف صالحین کا طریقہ نہیں اور نہ ان سے کہیں ثابت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور اسلاف اُمت ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل پیرا ہوتے تھے، خوشی کے موقعہ پر شکر ادا کرتے تھے اور غم کے وقت صبر کرتے تھے۔ اس لئے خوشی کے مواقع پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدۂ شکر بجالانا چاہئے، نہ کہ خرافات وواہیات میں مشغول ہونا چاہئے۔

طب وصحت

موسم گرما کا تحفہ: خربوزہ

ادارہ

خربوزے موسم گرما میں دستیاب ہوتے ہیں اوران کی مٹھاس منہ کا ذائقہ بہتر بناتی ہے۔اس رسیلے پھل سے صرف منہ کا ذائقہ ہی بہتر نہیں ہوتا بلکہ صحت کو بھی بہت زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔وٹامن اے اورسی کے ساتھ ساتھ بی 1، بی 6 اور K جیسے وٹامنز بھی خوبوزوں میں موجود ہوتے ہیں جبکہ پوٹاشیم ،فولیٹ، کاپر، میگنیشم اور غذائی فائبر بھی انہیں کھانے سے جسم کو ملتے ہیں۔

اس کے فوائد درج ذیل ہیں: خربوزوں میں پانی کی مقدار کافی زیادہ ہوتی ہے، جس سے گرم موسم میں جسم میں پانی کی کمی نہیں ہوتی۔خربوزے کھانے سے جسم کو ٹھنڈک ملتی ہے جبکہ حرارت سے تحفظ ملتا ہے۔بلڈ پریشر کو کنٹرول کرنا ممکن ہوتا ہے، اس پھل میں پوٹاشیم جیسا جز موجود ہوتا ہے جو بلڈ پریشر کو کنٹرول کرنے کے لیے اہم ہوتا ہے۔

خربوزوں میں وٹامن اے اور بیٹا کیروٹین جیسے اجزا موجود ہوتے ہیں۔وٹامن اے بینائی کے لیے بہت زیادہ اہم ہوتا ہے اوراس کی کمی سے بینائی کے مختلف مسائل کا خطرہ بڑھتا ہے۔اگر جسمانی وزن میں کمی لانا چاہتے ہیں تو خربوزوں کا استعمال مددگار ثابت ہوسکتا ہے۔اس پھل میں چکنائی نہیں ہوتی جبکہ اس کی قدرتی مٹھاس سے چینی کھانے کی خواہش کم ہوتی ہے جس سے جسمانی وزن میں کمی لانے میں مدد ملتی ہے۔خربوزوں میں موجود اجزا بلڈ شوگر کو تیزی سے بڑھنے نہیں دیتے۔یہی وجہ ہے کہ یہ پھل ذیابیطس کے مریضوں کے لیے اچھا تصور کیا جاتا ہے، مگر انہیں اس کا استعمال ڈاکٹر کے مشورے سے کرنا چاہیے۔

وٹامن سی کو مضبوط مدافعتی نظام کے لیے اہم تصور کیا جاتا ہے اور خربوزوں میں یہ وٹامن کافی مقدار میں ہوتا ہے۔وٹامن سی سے خون کے سفید خلیات بننے کا عمل متحرک ہوتا ہے اور یہ خلیات مختلف امراض جیسے موسمی نزلہ زکام سے لڑنے میں کردار ادا کرتے ہیں۔خربوزوں میں فائبر کی مقدار کافی زیادہ ہوتی ہے اوراسی لیے یہ قبض سے تحفظ فراہم کرنے میں کردار ادا کرتا ہے۔اکثر قبض کی وجہ جسم میں پانی کی کمی ہوتی ہے اوراس پھل میں پانی کی مقدار کافی زیادہ ہوتی ہے۔

گردوں میں پتھری اکثر کم پانی پینے یا جسم میں پانی کی کمی کا نتیجہ ہوتی ہے۔خربوزوں میں پانی کی مقدار کافی زیادہ ہوتی ہے اوراسی وجہ سے اس کا استعمال گردوں کی پتھری سے تحفظ فراہم کرسکتا ہے۔خربوزوں کو کھانے سے مسلز کو سکون ملتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اسے کھانے سے بے خوابی کے مسئلے کی شدت میں کمی لانے میں مدد مل سکتی ہے۔

لیکن یاد رہے ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے، اس سے زائد وہ نقصاندہ ہوسکتی ہے، اس لئے خربوزہ بہت زیادہ کھانے سے نقصان ہوسکتا ہے، اسی طرح اسے رات میں کھانے سے بچنا چاہئے اوراس کے کھانے کے فوراً بعد پانی نہیں پینا چاہئے۔

نوٹ: یہ مضمون طبی جریدوں میں شائع تفصیلات پر مبنی ہے، قارئین اس حوالے سے اپنے معالج سے بھی ضرور مشورہ کریں۔

جامعۃ السعادۃ کیرانہ کی مطبوعات

(۱)تفسیر پارہ عم

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۲)التوحید (دلائل توحید اور رد کفر وشرک پر مدلل ومفصل کتاب)

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۳)مختصر لغات القرآن

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۴)طلاق کا اختیار عورت کو کیوں نہیں

تحریر: حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب۔ ترتیب وتخریج: مولانا محمد صغیر پرتاپ گڑھی

(۵)اسلام کا نظام طلاق (نقل وعقل کی روشنی میں)

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۶)موڈرن عورت

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۷)اسلام کا پیغام انسانیت کے نام

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۸)اسلامی اسباق (برائے دینیات درجہ اول)

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۹)اسلامی اسباق (برائے دینیات درجہ دوم)

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۱۰)اسلامی اسباق (برائے دینیات درجہ سوم)

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

(۱۱)اسلامی اسباق (برائے دینیات درجہ چہارم)

تالیف: مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

جامعۃ السعادۃ واسعادالبنات کیرانہ

شاخ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

''جامعۃ السعادۃ'' مغربی یوپی کے مردم خیز قصبہ ''کیرانہ، شاملی'' کا ایک عظیم ومنفرد ادارہ ہے۔جس کے مقاصد میں سے قرآن وحدیث کی ترویج واشاعت کے ساتھ، ایسے باصلاحیت رجال کار تیار کرنا ہے، جو ملت اسلامیہ کی علمی، دینی اور فکری قیادت کا فریضہ انجام دے سکیں اور اپنی خوابیدہ قوم کو بیدار کرسکیں۔

یہ ادارہ ۱۴۲۸ھ سے علم کی شمع جلانے اور اس کی لو کو تیز کرنے میں مصروف ہے، بچوں اور بچیوں کی تعلیم پر خصوصی توجہ، عربی، اردو اور انگریزی زبان بولنے ولکھنے کی ان کے اندر صلاحیت پیدا کرنے اور صحیح ڈھنگ سے ان کی تربیت کرنے، نیز عوام الناس میں دینی بیداری پیدا کرنے اور انہیں اسلامی تعلیمات سے واقف کرانے کے لئے اس کے خصوصی تعلیمی وتربیتی پروگرام اور انتہائی علمی ووقیع ماہ نامہ ''تحقیقات اسلامی'' کی پابندی کے ساتھ اشاعت ایسے کارنامے ہیں کہ کم ہی ادارے اس قلیل مدت میں اس منزل کو حاصل کر پاتے ہیں۔ جامعہ کی مستقل اپنی انتہائی خوبصورت ودیدہ زیب دومنزلہ عمارت ہے، جس میں تعلیمی، تربیتی اور دعوتی ۱۴ رشعبے قائم ہیں۔طلبہ کی ایک کثیر تعداد دارالاقامہ میں مقیم ہے جن کے قیام وطعام اور لباس وفوری علاج کا جامعہ کفیل ہے اور دیگر ہر طرح کی سہولیات انہیں فراہم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

جامعہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ملحق ہے، اور دارالعلوم ندوۃ العلماء ہی کے نصاب کے مطابق ثانویہ اولیٰ سے عالیہ ثانیہ تک کی تعلیم کے ساتھ حفظ مع تجوید، ناظرہ قرآن کریم، دینیات اور حکومت ہند سے منظور شدہ: جامعۃ السعادۃ پبلک اسکول کے تحت درجہ آٹھ تک کی تعلیم ماہر اساتذہ کی نگرانی میں جاری ہے۔

جب کہ بچیوں کی خصوصی تعلیم وتربیت کے لئے علاحدہ سے ''جامعہ اسعادالبنات'' قائم ہے۔اس کی بھی دومنزلہ انتہائی محفوظ ،خوبصورت اور ہر طرح کی سہولیات سے مزین عمارت ہے۔بچیوں کی نگرانی اور ان کی تعلیم وتربیت کے لئے باصلاحیت عالمائیں مامور ہیں، یہ ادارہ بھی ندوۃ العلماء سے ملحق ہے۔جس میں ندوہ ہی کے نصاب ونظام کے مطابق از درجہ پرائمری تا دورہ حدیث شریف کی تعلیم جاری ہے، ساتھ ہی کمپیوٹر اور دست کاری (سلائی، کڑھائی، امور خانہ داری) بھی سکھائی جاتی ہے۔

جامعہ کی مستقل آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔مخیّر حضرات سے اپیل ہے کہ صدقات، زکوٰۃ اور عطیات کی رقوم سے جامعہ کا تعاون فرمائیں۔ **ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین**

محمد عرفان ثاقب قاسمی
محلہ ابراہیم پورہ (آل کلاں) شاملی روڈ، کیرانہ ضلع شاملی۔یوپی 247774
رابطہ نمبر 09319530768 / 8630449150

Tehqiqat-e-Islami

Post No. UP/MZN- 86/2015-17 RNI No: upurd/2011/42786
Kairana, Distt. Shamli (U.P) India
E-mail: tahqiqat-eislamia@yahoo.com
Website: www.jamiakairana.com
www.shariyahacademy.com , academy2016web@gmail.com

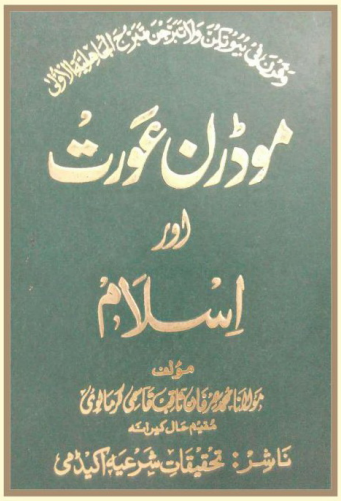

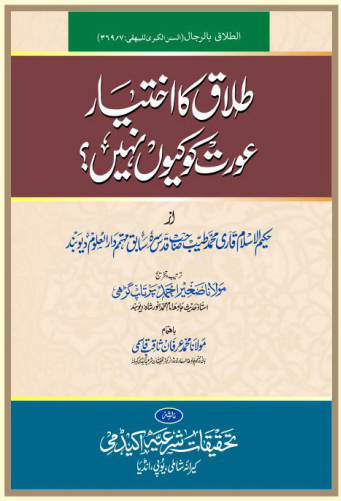

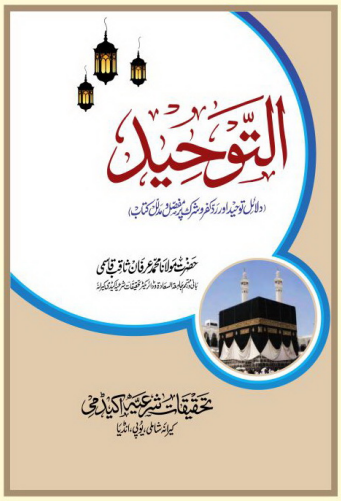

JAMIATUS SA'ADAH
Moh.Ibrahim Pura, (Aal Kalan) Shamli Road,
Kairana, Distt. Shamli U.P Pin: 247774
Mob: 09359602830, 09319530768